مُختصر

تاریخ پنجاب

منظور شدہ محکمۂ تعلیم پنجاب

بموجب سرکلر نمبر ۱۶/۱۹۱۲ مورخہ ۴/۲۷ ۲۵

اور جس پر

محکمۂ تعلیم کی طرف سے پنجاب گورنمنٹ نے تین سو روپیہ بطور انعام عطا فرمایا

فیروز سنز پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور

سنہ ۱۹۴۶ء

بار سوم

مختصر

تاریخ پنجاب

زمانہ قبل تاریخ سے سنہ ۱۹۲۴ء تک کے دلچسپ واقعات

جس پر مصنف کو

حکومت پنجاب نے تین سو روپیہ بطور انعام

عطا فرمایا

منظور شدہ محکمہ تعلیم پنجاب

بموجب سرکلر نمبر ۱/۱۶۱۲ مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۲۷ء

سنہ ۱۹۳۶ء

فیروز سنز پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور

بار سوم

فہرست مضامین

مُختصر تاریخ پنجاب

تمہید | عزیز بچّو! خُدا رکھے۔ اس وقت تو تم خاصے ہوشیار ہو۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ بولنا چالنا تو ایک طرف رہا۔ لکھنا پڑھنا تک جانتے ہو۔ مگر ایک زمانہ تھا کہ تم پیدا ہوئے تھے۔ اور کچھ نہ جانتے تھے۔ بھوک لگی۔ تو رو دئے۔ ماں نے دُودھ پلا کر پیار سے تھپک دیا۔ تو سو رہے۔ جب جی چاہا۔ ہونٹوں اور ابروؤں کی ایک حالت بنا کر ہنس دئے۔ اور خوشی کا اظہار کر دیا۔ رفتہ رفتہ دُودھ چھُٹا۔ اناج کھانے۔ کپڑا پہننے۔ گھٹنوں چلنے اور امّاں ابّا کہنے لگے۔ جسم میں طاقت آئی۔ باتیں کرنا اور چلنا پھرنا آ گیا۔ مدرسے میں داخل ہوئے۔ تو سالانہ جماعتوں میں ترقی پا کر آج اس مدرسے

میں پہنچ گئے کہ بات سمجھ سکتے اور جواب دے سکتے ہو۔ گھر کے بڑے بوڑھے جب تمہارے بچپن کی داستانیں سناتے ہونگے۔ تو تمہیں مزہ آتا ہوگا۔ کسی عقلمندی کے کام پر خوش ہو جاتے ہوئے۔ تو کسی بیہودہ حرکت پر شرمندہ۔ یہ داستانیں کیا ہیں؟ یہی تمہارے بچپن کی تاریخ ہے۔ اب اگر تم سے تمہارے باپ دادا کی نسبت پوچھا جائے کہ انہوں نے کیا کیا کام کئے؟ کس کس قوم سے تعلق رکھا۔ کہاں کہاں زندگی بسر کی؟ تو گویا یہ تمہاری خاندانی تاریخ کے متعلق سوال ہونگے +

علمِ تاریخ کی تعریف تاریخ اس علم کو کہتے ہیں۔ جس میں گزرے ہوئے واقعات اس ترتیب سے بیان کئے جائیں کہ پڑھنے والے گزشتہ قوموں۔ ملکوں۔ مذہبوں۔ حکومتوں کے حالات اور زمانے کی ترقی و تنزل کا صحیح اندازہ کرکے تجربے کی تکلیف اُٹھائے بغیر زندگی کے ہر باب میں اُن سے مفید سبق لے سکیں +

خوب یاد رکھو کہ اسی طرح ملکوں۔ قوموں اور سلطنتوں کا بھی تمہیں جیسا حال ہے۔ یہ بھی مختلف حالتوں اور مختلف دَوروں کے بعد اس درجے پر پہنچی ہیں۔ کوئی ملک اور کوئی سلطنت ایسی نہیں۔ جس نے یہ منزلیں طے نہ کی ہوں +

اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات دیکھنے سے جس طرح تم ان کی گزشتہ غلطیوں کی تلافی اور ان کے لگائے ہوئے پیڑوں کے پھل کھانے کی کوشش کرتے ہو۔ ویسے ہی ملکوں - قوموں اور سلطنتوں کے پرانے واقعات سے ان کی عہد بعہد کی ترقیوں اور نیکیوں یا بدیوں کا علم تمہیں اپنی زندگی میں بہت جگہ کارآمد ہو سکتا ہے ؛

علم تاریخ کی دلچسپی تاریخ کا علم اتنا دلچسپ اور انسانی طبیعت کے موافق ہے کہ ہر زمانے میں لوگوں کو اس کے ساتھ نہایت دلچسپی رہی ہے - یہاں تک کہ ہر مذہب کی آسمانی کتابوں میں بھی کچھ نہ کچھ تاریخ ضرور بیان ہوئی ہے ؛

ہندوستان کی قدیم تاریخ اس ملک میں پہلے پہل خاندانوں یا قوموں کی روایتوں کو زبانی یاد رکھنے کا دستور تھا۔ جب لکھنے کا رواج ہوا - تو ایسی روایتیں قصے کہانیوں کی صورت میں لکھی گئیں - مگر نہ تو ان میں سن و سال لکھنے کا قاعدہ تھا۔ نہ ترتیب کا لحاظ - پرانی تصنیفوں میں رامائن اور مہابھارت اسی رنگ کی کتابیں ہیں - ان کے سوا ایسی کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں - جو سلسلہ وار تاریخ کا کام دے سکیں - البتہ جب مسلمانوں کا زمانہ آیا - تو انہوں نے باقاعدہ قوموں اور سلطنتوں کے حالات روزنامچے کے طور پر لکھنے کی بنیاد ڈالی - اور ان کے بعد یورپین

عالموں نے تو اس علم کو اس اوجِ کمال پر پہنچا دیا ہے کہ ہر زمانے کے حالات گویا خود منہ سے بول رہے ہیں ؂

حُدُود اور آب و ہوا وغیرہ

محلِ وقوع پنجاب اس قطعۂ زمین کا نام ہے۔ جسے دریائے سندھ مع اپنے پانچوں معاونوں جہلم - چناب - راوی - بیاس اور ستلج کے سیراب کرتا ہے - اس میں اب دریائے ستلج کے مشرق کا وہ تمام علاقہ بھی شامل ہے - جو دریائے جمنا تک چلا گیا ہے ؂

پہاڑ یہ ملک شمال و مشرق کی طرف سے بلند اور پہاڑی واقع ہؤا ہے - دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ کوہ ہمالیہ کا سلسلہ (جو ہندوستان کی شمالی دیوار ہے) شمال مشرق میں پنجاب کے اندر تک چلا آیا ہے - اور قدرت نے اس دیوار میں خیبر - گومل اور بولان تین درّے بنا دئے ہیں - چنانچہ تمام حملہ آور انہیں درّوں کی راہ پنجاب میں آتے رہے ہیں - اگر یہ نہ ہوتے تو پنجاب کی تاریخ بھی کچھ اور ہوتی ؂

دوآبے دریائے سندھ کے پانچ معاونوں نے اس صوبے کے پانچ ہی دوآبے بنا دئے ہیں:

(۱) دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان دوآبہ سندھ ساگر ؂

(۲) دریائے جہلم اور چناب کے درمیان دوآبہ جج یا چنہٹ ؂

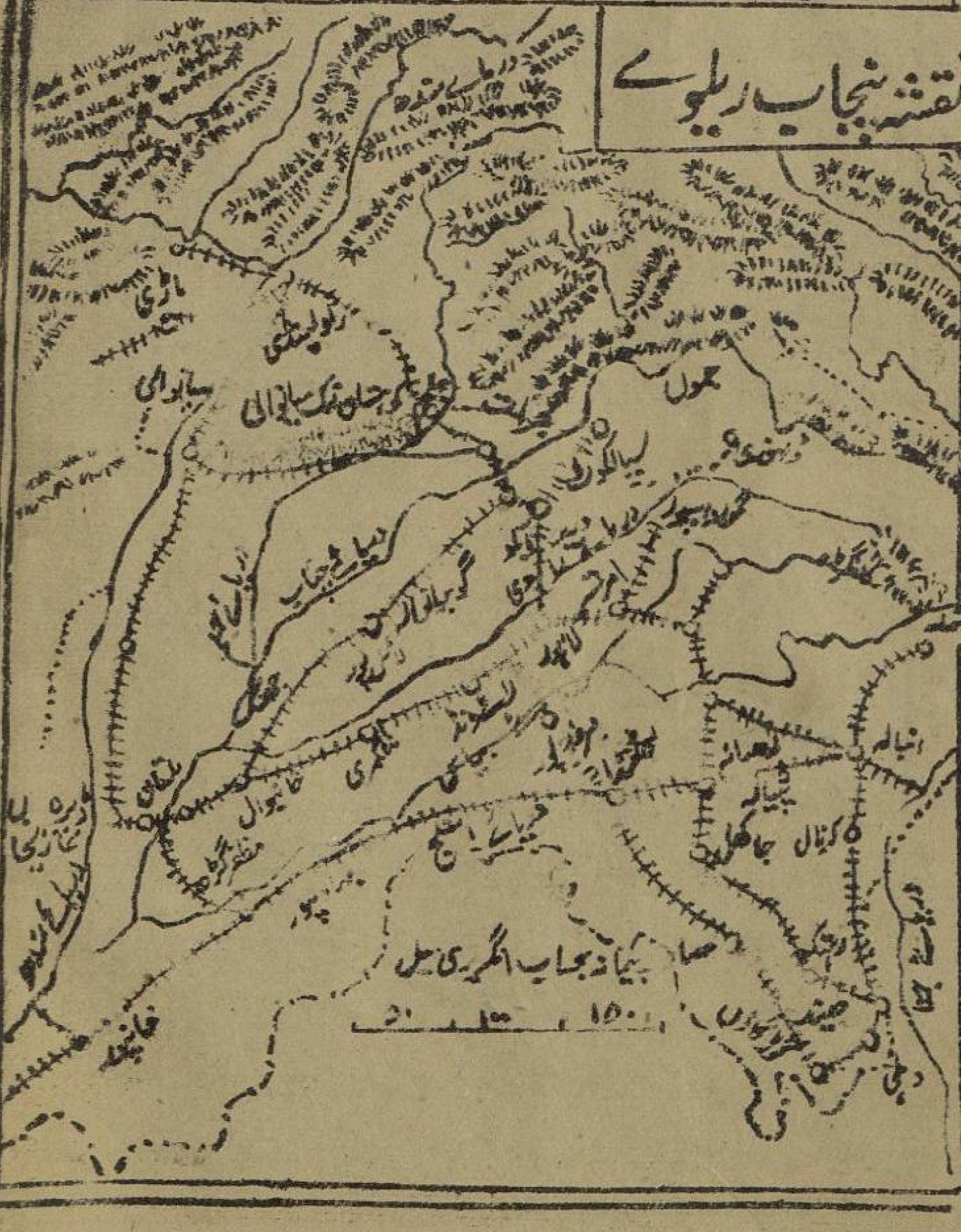
(۳) دریائے چناب اور راوی کے بیچ دوآبہ رچنا ✣

(۴) راوی اور بیاس میں دوآبہ باری ✣

(۵) بیاس اور ستلج کے اندر دوآبۂ بست جالندھر ✣

آب و ہوا اور پیداوار پنجاب کا صوبہ شمال سے جنوب کی طرف ڈھلوان واقع ہوا ہے۔ شمالی علاقہ پہاڑی اور سرسبز ہے۔ جس کی چوٹیاں عموماً برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ اور بے شمار چشمے جاری ہیں۔ جن سے پانی کی بہتات اور سردی کی افراط رہتی ہے۔ اس حصّے میں چاول۔ مکئی۔ ہلدی۔ چائے۔ اخروٹ۔ خرمانی۔ ناشپاتی وغیرہ بکثرت ہوتی ہے۔ اور آب و ہوا ایسی صحت بخش و سرد ہے کہ گرمیوں میں اکثر حکّام اور آسودہ دولتمند لوگ آرام پانے کے لئے وہیں چلے جاتے ہیں۔ عام طور پر تو اس حصّے میں پہاڑی ریاستوں کی حکومت ہے۔ جیسے کشمیر و چنبہ وغیرہ۔ مگر سرکارِ انگریزی کی عملداری میں بھی مری۔ ڈلہوزی۔ شملہ اور ضلع کانگڑہ وغیرہ کے کئی صحت افزا مقامات موجود ہیں۔ شمال مغرب میں کوہستانِ نمک کشمیر سے کالا باغ تک پھیلا ہوا ہے۔ جو پنجاب کی ایک اعلےٰ درجے کی معدنی پیداوار ہے۔ کہیں کہیں سے کوئلہ اور مٹی کا تیل بھی نکلتا ہے۔ اس قطعے کے نیچے میدانی علاقہ ہے۔ جس کی آب و ہوا نہ بہت گرم ہے۔ نہ سرد۔ اسے معتدل سمجھو۔

اس علاقے میں برف تو نہیں گرتی۔ مگر پانی بکثرت موجود ہے۔ گیہوں۔ مکئی۔ جَو۔ جوار۔ طرح طرح کی دالیں۔ نیشکر۔ آم۔ خربوزہ وغیرہ عام پیدا ہوتا ہے۔ اس سرسبز میدانی قطعے میں راولپنڈی



جہلم - گجرات - سیالکوٹ - گورداسپور - گوجرانوالہ - شیخوپورہ - لاہور - امرتسر - فیروزپور - جالندھر - ہوشیارپور اور لدھیانہ کے اضلاع شامل ہیں - تیسرا جنوبی حصّہ عموماً ریگستانی اور خشک واقع ہوا ہے - جس میں ملتان - منٹگمری لائل پور - جھنگ - کرنال - رہتک - حصار اور گوڑگاؤں وغیرہ کے اضلاع شامل ہیں - اس میں پہلے تو کھیتی باڑی کم ہوتی تھی - مگر اب بہت سی نہریں جاری ہو جانے کے باعث یہ علاقہ بھی سرسبز و شاداب ہو گیا ہے - اس میں گرمی درمیانی علاقے سے زیادہ ہوتی ہے - اور نہروں کے سوا عام طور پر پانی کی بھی کثرت نہیں ؛

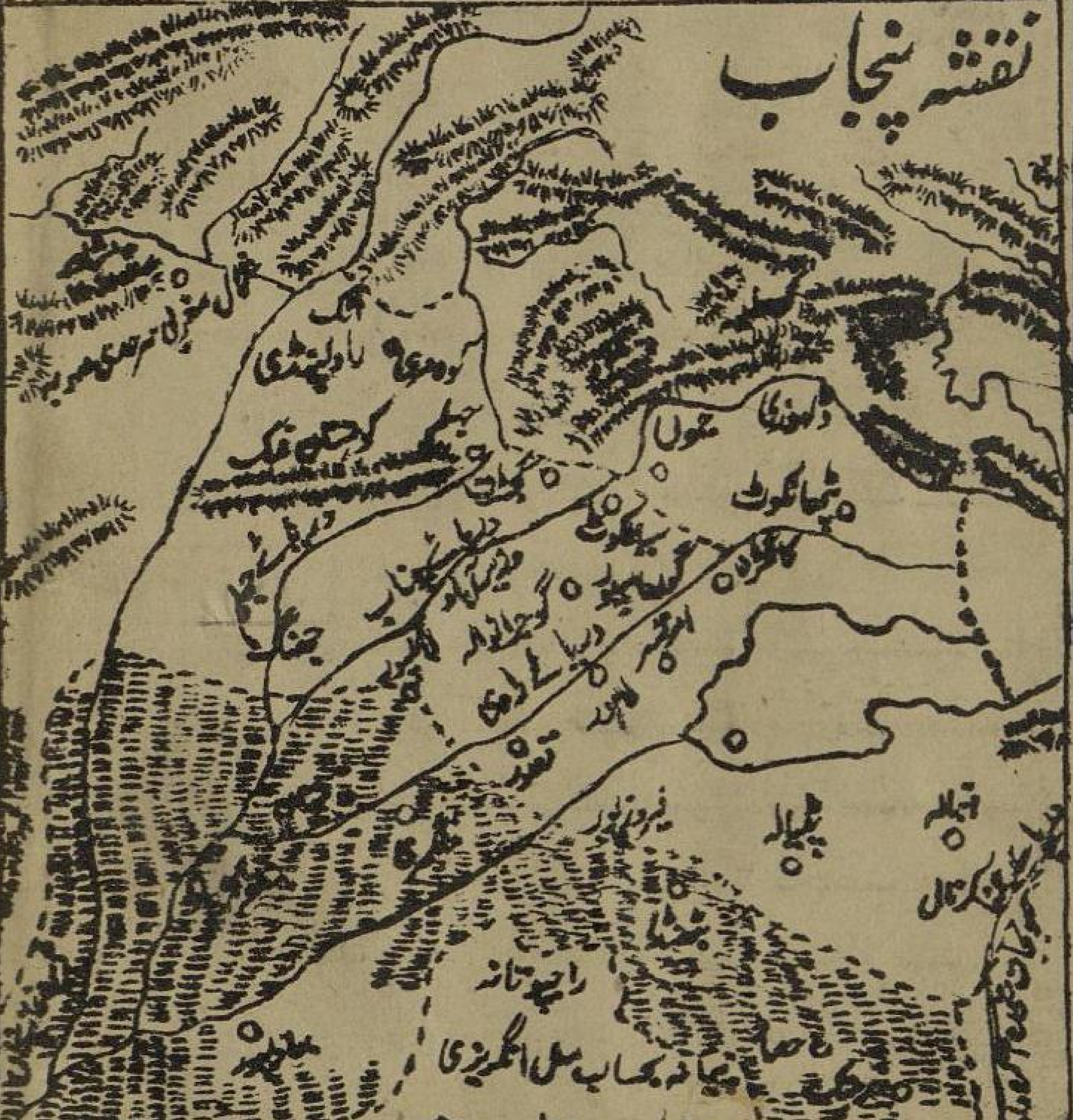
رقبہ اور آبادی اس تمام صوبے کا رقبہ ایک لاکھ سینتیس ہزار مربع میل ہے - اور آبادی تقریباً ڈھائی کروڑ یعنی فی مربع میل تقریباً دو سو آدمی بستے ہیں - جن میں مذہب کے لحاظ سے ۵۶،۸ فیصدی مسلمان - ۲۵،۲ فیصدی ہندو ۱۳ فی صدی سکھ اور ۵ فیصدی دوسرے مذاہب ہیں ؛

باشندے پنجابی عام طور پر محنتی - ذہین اور فرمانبردار ہوتے ہیں - پیشے کے اعتبار سے زیادہ تر تو زراعت پیشہ لوگ ہیں - ان کے بعد ملازمت پیشہ - پھر تجارت پیشہ ؛

زبان پہاڑی علاقے میں پہاڑی اور میدانی حصّے میں پنجابی بولی جاتی ہے - مگر مدارس کی برکت سے اردو سب جگہ

سمجھی جا سکتی ہے۔ اس لئے اسی کو پنجاب کی علمی زبان
کہنا چاہیئے۔ گو اب تھوڑے عرصے سے کچھ کچھ گورمکھی اور
ناگری تحریر کا بھی رواج ہوتا جاتا ہے +

تجارتی شاہ راہ | کلکتہ سے پشاور تک ایک تو شیر شاہ



کی بنوائی ہوئی پُرانی شاہی سڑک پنجاب سے گذرتی ہے۔ اس کے علاوہ اب سرکارِ انگریزی کے عہد میں ہر شہر کے قصبات کو بھی بہت سی کچّی پکّی سڑکیں باہم ملا رہی ہیں۔ مگر ان سڑکوں کے علاوہ اس زمانے میں سیر و سفر اور تجارتی ضروریات پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ریلوے ہے۔ جو پنجاب کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں سے ہو کر گزرتی ہے ٭

قسمتوں۔ ضلعوں اور تحصیلوں کی موجودہ تقسیم سرکارِ انگریزی کے زمانے میں پنجاب کو مندرجہ ذیل پانچ قسمتوں۔ ۳۰ ضلعوں اور ۱۱۹ تحصیلوں پر تقسیم کیا گیا ہے:۔

قسمتیں یا کمشنریاں	ضلعے	تحصیلیں
قسمت راولپنڈی	اٹک	اٹک۔ فتح جنگ۔ پنڈی گھیپ۔ تلہ گنگ ٭
	راولپنڈی	راولپنڈی۔ گوجرخاں۔ کہوٹہ۔ کوہ مری ٭
	جہلم	جہلم۔ پنڈ دادن خاں۔ چکوال ٭
	گجرات	گجرات۔ کھاریاں۔ پھالیہ ٭
	شاہ پور	شاہ پور۔ خوشاب۔ بھیرہ۔ سرگودھا ٭
	میانوالی	میانوالی۔ عیسےٰ خیل۔ بھکّر ٭
قسمت ملتان	منٹگمری	منٹگمری۔ پاک پٹن۔ دیپال پور۔ اوکاڑہ ٭
	جھنگ	جھنگ۔ چنیوٹ۔ شورکوٹ ٭
	لائل پور	لائل پور۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سمندری۔ جڑانوالہ ٭

قسمتیں یا کمشنریاں	ضلعے	تحصیلیں
قسمت ملتان	ملتان	ملتان - کبیروالا - میلسی - لودھراں - شجاع آباد +
	مظفرگڑھ	مظفرگڑھ - کوٹ ادّو - علی پور - لیہ +
	ڈیرہ غازیخاں	ڈیرہ غازیخاں - جام پور - راجن پور - سنگھڑ +
قسمت لاہور	گوجرانوالہ	گوجرانوالہ - وزیر آباد - حافظ آباد +
	شیخوپورہ	شیخوپورہ - خانقاہ ڈوگراں - شرق پور +
	سیالکوٹ	سیالکوٹ - نارووال - پسرور - ڈسکہ +
	لاہور	لاہور - قصور - چونیاں +
	امرتسر	امرتسر - ترن تارن - اجنالہ +
	گورداسپور	گورداسپور - پٹھان کوٹ - شکر گڑھ - بٹالہ +
قسمت جالندھر	جالندھر	جالندھر - نکودر - پھلور - نواں شہر +
	ہوشیارپور	ہوشیارپور - گڑھ شنکر - اُونہ - دسوہہ +
	کانگڑہ	کانگڑہ - پالم پور - کلو - ہمیرپور - ڈیرہ - نورپور +
	لُدھیانہ	لدھیانہ - سمرالہ - جگراؤں +
	فیروزپور	فیروزپور - مکتسر - فاضلکا - موگہ - زیرہ +
قسمت انبالہ	انبالہ	انبالہ - جگادھری - نرائن گڑھ - کھرڑ - روپڑ +
	شملہ	شملہ - بھروَلی - کوٹ کھائی - کوٹ گڑھ +
	کرنال	کرنال - پانی پت - کیتھل - تھانیسر +
	حصار	حصار - بھوانی - ہانسی - فتح آباد - سرسہ +
	رہتک	رہتک - جھجر - سونی پت - گوہانہ +
	گوڑگاؤں	گوڑگاؤں - پلول - فیروزپور جھرکا - نوح - ریواڑی - بلب گڑھ +

چھاؤنیاں ان میں کیمل پور - راولپنڈی - کوہ مری - جہلم - سیالکوٹ - لاہور - جالندھر - بکلوہ - ڈلہوزی - انبالہ - فیروز پور اور ملتان میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہیں +

طرزِ حکومت سرکارِ انگریزی کی طرف سے صوبۂ پنجاب کا انتظام ایک گورنر صاحب کے ماتحت ہے - جن کی امداد کے لئے ایک قانونی کونسل بھی یجس لیٹو کونسل کے نام سے مقرر ہے - جس کے ایک سو دو ممبروں میں اکیاسی صاحبان تو رعایا کی طرف سے بذریعۂ انتخاب لئے جاتے ہیں - باقی ۲۱ ممبر گورنر ممدوح خود نامزد فرماتے ہیں - تعلیم - عمارات - زراعت - شفاخانجات - میونسپلٹیوں وغیرہ کے محکمے تین وزیروں کے ماتحت ہیں - اور تین انتظامی ممبر ان کے علاوہ تمام کاروبار کو گورنر ممدوح کی منظوری سے سرانجام دینے کے لئے مقرر ہیں - گورنر اور تمام بڑے بڑے افسروں کے دفتر لاہور میں ہیں - البتہ گرمیوں کے چار ماہ گورنر صاحب اپنے وزیروں سمیت شملہ رہتے ہیں +

انصاف و عدالت کا سب سے بڑا محکمہ ہائیکورٹ پنجاب ہے - جو ہر ضلع کے ڈسٹرکٹ وسشن ججوں - منصفوں اور مجسٹریٹوں کی اپیلوں کا فیصلہ کرتا ہے - اور صاحبان فنانشل کمشنر محکمۂ مال کے مہتمم ہیں - جن کے ماتحت ہر ضلع میں کلکٹر - مال افسر اور تحصیلدار

کام کر رہے ہیں ۔

نہروں کا انتظام ضلع داروں اور ایگزیکٹو انجینروں کے ماتحت انجام پاتا ہے۔ جن پر ایک اور چیف انجینر صاحب حاکم اعلےٰ مقرر ہیں ۔

رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے دیہات میں چوکیدار۔ قصبات میں تھانے اور ضلعوں میں سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہیں۔ جن سب کی نگرانی اور انتظام کے لئے ایک انسپکٹر جنرل مقرر ہے ۔

تعلیم کے لئے دیہات میں پرائمری۔ قصبات میں مڈل۔ شہروں میں ہائی سکول اور کالج قائم ہیں۔ جن کے انتظام کے لئے ضلعوں میں ایک ایک ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس مع اپنے نائبوں کے متعین ہے۔ اور ان کی نگرانی کے لئے ہر قسمت کا ایک ایک انسپکٹر مامور ہے۔ پھر ان سب کا اہتمام ڈائرکٹر صاحب سررشتۂ تعلیم کے ہاتھ میں ہے۔ جن کے مشورے کے لئے ایک ٹیکسٹ بک کمیٹی بھی نصابی کتابوں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر ہے۔ کالجوں کا انتظام یونیورسٹی کے متعلق ہے۔ جس میں سینٹ اور سنڈیکیٹ کی مجلسیں گورنر صاحب کے ماتحت کام کرتی ہیں۔ جو باقاعدہ یونیورسٹی کے چانسلر ہوتے ہیں ۔

سڑکوں پلوں وغیرہ کا انتظام ڈسٹرکٹ بورڈوں

کے متعلق ہے۔ اور شہر کی صحت و صفائی اور روشنی کے بندوبست کے لئے میونسپل کمیٹیاں مقرر ہیں ؛

ڈاک اور تار کے دفتر تقریباً ہر مشہور گاؤں اور قصبے میں موجود ہیں۔ جن سب کے اہتمام پر ایک انسپکٹر جنرل مقرر ہے ؛

خود مختار دیسی ریاستیں پنجاب کے ایک لاکھ سینتیس ہزار مربع میل رقبے میں ایک معقول حصہ یعنی چالیس ہزار مربع میل پر پرانے خود مختار راجاؤں اور نوابوں کی اولاد حکمران چلی آتی ہے۔ ان ریاستوں کی تعداد گنتی میں چونتیس ہے۔ لیکن بڑی بڑی میدانی ریاستوں میں (۱) پٹیالہ (۲) جیند (۳) نابھہ (۴) کپورتھلہ (۵) فریدکوٹ سکھوں کے زیر حکومت ہیں۔ (۱) بہاولپور (۲) مالیرکوٹلہ (۳) لوہارو (۴) پاٹودی پر مسلمان حکمران ہیں ؛

پہاڑی ریاستوں میں (۱) منڈی (۲) ناہن (۳) بلاسپور (۴) چنبہ (۵) سُکیت بڑی بڑی ریاستیں ہیں۔ جو ہندو راجاؤں کے ماتحت ہیں۔ ان ریاستوں کی نگرانی کے لئے لاہور میں ایک تو ایجنٹ گورنر جنرل مقرر ہیں۔ جن کی خط وکتابت براہِ راست وائسرائے ہند کے ساتھ ہے۔ اور مندرجہ بالا ریاستوں کا ایک ایک معتبر ان کے ساتھ مامور رہتا ہے۔ ان کے علاوہ ضلع شملہ میں مندرجۂ ذیل اکیس چھوٹی چھوٹی ریاستیں

ہیں۔ جن کے رقبے اور آمدنیاں تو کچھ زیادہ نہیں۔ مگر ابتدا سے سرکار نے ان سب کو خود مختار تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب ہندو رئیسوں کے زیر اہتمام ہیں (۱) بلاسپور (۲) بوشہر (۳) نالہ گڑھ (۴) کیتھل (۵) باگل (۶) بگھاٹ (۷) جُبّل (۸) کُمھارسین (۹) بھجی (۱۰) کہار (۱۱) میلوگ (۱۲) بلسن (۱۳) دھامی (۱۴) کنٹھار (۱۵) وانگل (۱۶) بیجاپور (۱۷) درکُوٹی (۱۸) تروج (۱۹) سانگری (۲۰) روائی (۲۱) واڈھی +

سکے پائی۔ دھیلا۔ پیسہ اور ادھنّی تانبے کے سکے ہیں۔ اکنّی۔ دوئنی۔ چونّی نکل کے۔ اور اٹھنّی اور روپیہ چاندی کے ہیں۔ ان سب کے ایک طرف بادشاہ کی تصویر اور دوسری طرف قیمت درج ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ پانچ۔ دس۔ پچاس۔ سو۔ پانسو۔ ہزار اور دس ہزار روپے کے کرنسی نوٹ چلتے ہیں۔ جن کا روپیہ ہر وقت خزانۂ سرکار اور بازار سے وصول ہو سکتا ہے +

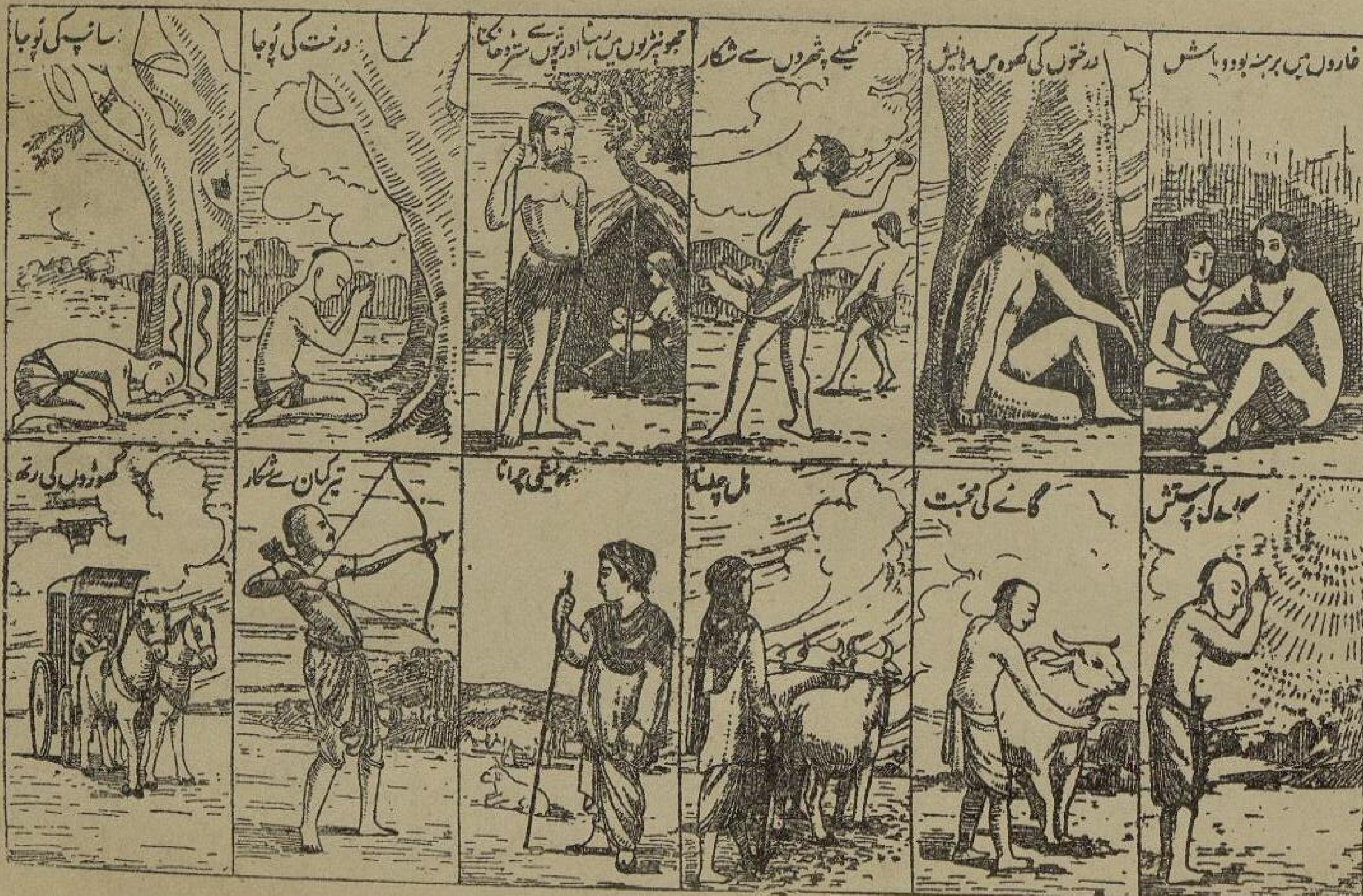
نوٹ ایک خاص قسم کے کاغذ پر ولایت سے چھپ کر آتے ہیں۔ باقی تمام سکّے ہندوستان بھر کے لئے کلکتہ کی ٹکسال سے مشینوں کے ذریعے سے گول اور یکساں بنا کر ہر صوبے کی ضرورت کے مطابق بھیج دئے جاتے ہیں +

پہلے زمانے میں سکھوں کے عہد تک لاہور میں مستقل ٹکسال قائم تھی۔ جہاں سونے۔ چاندی۔ تانبے کے چوکور اور گول مگر بھدے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ ملتان۔ پشاور۔ کشمیر اور بھکر میں بھی بہت دفعہ ٹکسالیں بنی تھیں۔ ہر سکے پر اسلامی بادشاہ کا نام یا اور مقدس الفاظ ہوا کرتے تھے ٭

سکھوں کے سکے نانک شاہی کہلاتے تھے۔ اور لاہور کے علاوہ بعض سکھ ریاستوں میں بھی مقامی سکوں کے لئے علحدہ ٹکسالیں قائم ہو گئی تھیں۔ چنانچہ سرکار انگریزی کے ابتدائی زمانے تک بھی پنجاب کی اکثر ریاستوں کے الگ الگ سکے جاری تھے۔ لیکن اب سوا مذکورۂ بالا انگریزی سکوں اور نوٹوں کے اور سب منسوخ ہو چکے ہیں ٭

تاریخ سے پہلا زمانہ

ابتدائی زندگی پہلے زمانے میں جس طرح تمام دنیا کا حال تھا - پنجاب کی بھی وہی کیفیت سمجھو کہ جلتنے تھوڑے سے آدمی یہاں رہتے تھے - جانوروں کی طرح درختوں پر بسیرا کرتے اور مادر زاد ننگے پھرا کرتے تھے - کھانے میں قدرتی پھلوں یا صحرائی جانوروں کے گوشت پر گزارہ تھا - تیر و کمان یا کسی اور اوزار کا نام تک کوئی نہ جانتا تھا - چقماق کے کسی نکیلے پتھر سے کسی جانور کو تاک کر نشانہ بنایا اور آگ پر بھون بھان کر کھا گئے - پھر ہتھیار بھی تھے - تو پتھروں کے - اسی وجہ سے اس زمانے کو پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے - اس کے بعد دکن کی جانب سے دراوڑ قوم کے کچھ لوگ ان میں آ شریک ہوئے - جن کی عقل و تمیز پہلے لوگوں سے کسی قدر اچھی تھی - ان کے مل جل کر رہنے سہنے کے زمانے میں درختوں پر بسیرا کرنے کی جگہ درختوں کی کھوہوں یا غاروں میں رہنے اور ننگے پھرنے کی بجائے جانوروں کی کھالوں یا درختوں کے پتوں سے بدن ڈھانکنے کا رواج ہو گیا - پھر رہنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی - تو ضرورتیں بھی بڑھیں - اناج کی ضرورت پڑی - تو کھیتی کا خیال



غاروں میں برہنہ بود و باش
درختوں کی کھوہ میں رہائش
نکیلے پتھروں سے شکار
جھونپڑوں میں رہنا اور پتوں سے تن ڈھانکنا
درخت کی پوجا
سانپ کی پوجا
سورج کی پرستش
گائے کی محبت
ہل چلانا
مویشی چرانا
تیر کمان سے شکار
گھوڑوں کی رتھ

آیا - پس انہیں لوگوں نے دریاؤں کے کنارے بڑے درختوں کو آگ لگا کر اور چھوٹے پودوں کو اکھاڑ کر کسی قدر زمینیں صاف کر لیں - جن میں موٹے اناج بوئے جانے لگے - اور رہنے کو گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بننے لگیں - اب چونکہ پتھریلے اوزاروں کی جگہ لوہے کے ہتھیار تیار ہونے شروع ہو گئے تھے - اس لئے اس زمانے کو تاریخ میں دھات کا زمانہ کہتے ہیں ؂

اس سے ترقی ہوئی - تو ہر علاقے میں جو لوگ رہتے تھے - انہوں نے کسی ایک آدمی کو اپنا سردار بنا لیا - مگر نہ ایسی سڑکیں تھیں - نہ شہر - قلعے تھے - نہ محلات ضابطہ تھا - نہ قانون - زندگی ہی ایسی سادہ تھی - جس میں ضرورت سے زیادہ سامانوں کی حاجت ہی نہ پڑتی تھی ؂

ابتدائی مذہب مذہب بھی ابتدائی عقل کے مطابق من سمجھوتہ تھا - کہ جب ذرا سے سانپ کو ایک ڈنک میں ہاتھی مارتے دیکھا - تو سانپ کی پوجا کرنے لگے - بڑ کے سائے تلے آرام گیا - تو درخت کو پوجنے لگے - گائے بیل سے زراعتی کاروبار میں امداد پائی - دودھ - دہی - مکھن سب کچھ اسی سے ملتا دیکھا - تو اس کی عزت بھی دل میں بیٹھ گئی - اس سے نظر بلند ہوئی - اور سورج کی روشنی پھیلانے پر خیال رجوع ہوا - تو سورج کی پوجا ہونے لگی - غرض ابتدائی مذہب

ایسی ہی چند باتوں کا مجموعہ تھا۔ لکھنا پڑھنا تو ایک طرف۔ راستے تک موجود نہ تھے۔ سیر و سفر۔ نقل و حرکت اور معلومات کے ذریعے عموماً محدود تھے۔ یہ اُس پنجاب کے حالات ہیں۔ جو آریوں سے پہلے تھا۔

آریوں کا ابتدائی حال اُس وقت کوہستانِ ہمالیہ کے پار وسط ایشیا کے باشندے پنجاب کے رہنے والوں سے ترقی کر چکے تھے۔ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی۔ قد اُونچے لمبے۔ رنگ سُرخ و سفید۔ اس پر دماغ بھی اچھا پایا تھا۔ پھر یہ کہ زمین کا جوتنا۔ ہل چلانا۔ اور مویشی پالنا خوب جانتے تھے۔ اور چونکہ سرد ملک میں رہنے کے باعث پرانے پنجابیوں کی نسبت انہیں لباس کی زیادہ حاجت پڑتی تھی۔ اس لئے کپڑا بننا بھی سیکھ چکے تھے۔ کھیتی باڑی اور مال مویشی کو درندوں سے بچانے کے لئے معمولی اور سادہ وضع کے ہتھیاروں کا برتنا بھی جانتے تھے۔ سرداروں کا انتظام بھی یہاں کی نسبت ان میں بہت اچھا تھا۔

آریوں کا پنجاب میں آنا آریہ قوم کی تعداد اور قوت میں ترقی ہوئی۔ تو رہنے سہنے کے لئے انہیں وسطِ ایشیا سے باہر نکل کر دوسرے ملکوں کی تلاش کرنی پڑی۔ اسی ضرورت سے ایک گروہ نے درۂ خیبر

کی راہ پنجاب کی طرف قدم بڑھایا۔ یہاں کے باشندے اوّل تو ڈیل ڈول اور شکل وصورت میں ان سے کم رُو اور کمزور تھے۔ اور تعداد و شمار میں بھی تھوڑے۔ اس کے علاوہ ان اجنبیوں کے آجانے کو یہ سادہ لوگ کچھ بُرا بھی نہ سمجھے۔ پس آریہ بے کھٹکے تین گروہوں میں تقسیم ہو کر پنجاب میں اس طرح داخل ہو گئے۔ کہ ایک گروہ تو دریائے سندھ کی وادی (پنجاب) میں آباد ہوتا چلا گیا۔ اور اسی مناسبت سے سِندھُو کہلانے لگا۔ دوسرے گروہ نے کوہ ہمالیہ کے ساتھ ساتھ کشمیر مری۔ جموں۔ کانگڑہ۔ چمبہ وغیرہ میں آبادی شروع کی۔ اور تیسرا گروہ جو غالباً سب سے بعد میں آیا۔ آگے بڑھ کر دریائے جمنا اور گنگا کی وادیوں میں آباد ہو گیا ٭

ویدک زمانہ

جس زمانے میں آریوں کے بزرگ پنجاب میں آئے اسے تاریخ والے ویدوں کا زمانہ جانتے ہیں۔ ویدک زمانے کو بعض مؤرخ تین ہزار سال قبل مسیح بتاتے

لہ وید میں بہت سے اشلوک دریائے سندھ کی تعریف میں موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آریا اس دریا کو بڑا متبرک سمجھتے تھے ٭

ہیں - اور بعض دو ہزار - اُن کے نزدیک آریوں کے
رشیوں - مُنیوں نے قدرت کے فیّاض نظاروں اور خدا
کی لا انتہا قوّتوں کو دیکھ کر دلی شوق سے جو نظمیں
موزوں کی تھیں - وہی آگے چل کر وید کے نام سے
مشہور ہوئیں - اس زمانے میں ہر خاندان کا بزرگ
خود ہی اپنے کنبے کا پیشوائے دین (پروہت) ہوا کرتا
تھا - وید کے جو منتر (اشعار) وہ ترتیب دیتا - یا
اُسے یاد ہوتے - انہیں اپنی اولاد کو سکھانا بھی اُسی
کے ذمے تھا - وید چار ہیں - جن میں سے رگ وید
میں تو خدا کی حمد و ثنا اور علمِ الٰہی مذکور ہے -
باقی اتھروَ وید - شام وید اور یجر وید گویا اس کی
تشریحیں ہیں - مثلاً اتھروَ وید میں بلاؤں سے محفوظ
رہنے کے منتر ہیں - تو شام وید میں منتر کے ادا
کرنے کے طریقے - اور یجر وید میں پجاریوں کے فرائض
کا بیان - غرض اصُولی طور پر رگ وید ہی کو آریوں
کی پہلی روحانی کتاب سمجھنا چاہیئے - چنانچہ جب آریہ
قوم میں لکھنے کا رواج ہُوا - تو سب سے پہلے وہی
لکھی بھی گئی - اور اس کے بعد دوسرے وید مکمل ہوئے
یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلا وید دریائے درشدوتی[1] اور سرسوتی

---

[1] درشدوتی کو اب گھگر کہتے ہیں - اور سرسوتی کو سرستی - پڑانے قول کے مطابق اُدھر اندر پرست (جو دلی کے پاس آباد تھا)

کے درمیانی دوآبے میں جمع کیا گیا تھا۔ جس سے اس دوآبے کو "برہما ورت" کہا جاتا تھا۔ آریوں کی سادہ زندگی کا سب سے اچھا یہی ویدک زمانہ تھا۔ جس کی ابتدا میں نہ تو انہیں ذاتوں گوتوں کی تمیز تھی۔ نہ تکلفات نے راہ پائی تھی۔ نہ حسد و بغض کا زور تھا۔ سچ کہتے تھے۔ اور سچ ہی سنتے تھے۔ رہنے کو کچے پکے یک منزلہ مکان بنا لیتے۔ تیر و کمان یا برچھے اور بھالے سے شکار کر لیا جاتا۔ شادی غمی کی رسمیں بھی اتنی آسان تھیں کہ ہر خاندان کا بزرگ خود ہی سہولت سے ادا کر لیا کرتا۔ ہوم یا ہون اور قربانیاں خوب زور شور سے ہوتی تھیں۔ جگ ٹھاٹھ کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ اس زمانے میں کھیتی باڑی۔ مال مویشی۔ اناج وغیرہ ہی دھن دولت تھی۔ جو عام طور پر سب کو حاصل تھی۔ روپے پیسے پر سکہ لگا تھا۔ یا نہیں؟ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ زمانۂ حال کے مؤرخ اس قدیم زمانے کی عمر پانسو سال بتاتے ہیں +

اس لمبے عرصے میں پنجاب پر کون کون راجے حکمران تھے؟ اور ان کے عہد میں کیا کیا مشہور واقعات ہوئے؟ اس کا کوئی صحیح جواب نہیں مل سکتا۔ صرف

اور ادھر کرو چھیتر (جو انبالہ کے متصل ہے۔) کے پاس یہ دریا بہتے تھے +

اتنا پتہ چلتا ہے کہ ریاستوں اور شہروں کی آبادی کا ڈھنگ پڑ چکا تھا +

ہندوستان کا مشہور راجہ بھرت بھی اُسی زمانے میں ہُوا ہے - جس کی نسل میں بہت مدّت کے بعد کورو پانڈو پیدا ہوئے - اسی راجے کے نام پہ ہندوستان کو بھارت ورش خطاب دیا گیا - پنجاب کے شہر ملتان کی آبادی کا بھی غالباً یہی زمانہ ہے - جسے مُلی قوم نے آباد کیا تھا - مُل سنسکرت میں سُورج کو کہتے ہیں - مُلی قوم سورج کی پرستش کرتی ہوگی - جیسا کہ آریوں کی ابتدائی حالت میں مذکور ہو چکا - اس سے اُس کا نام مُل استھان سے ملتان ہو گیا - اسی ملتان میں ایک طاقتور راجہ ہرناکش کی حکومت کا تذکرہ بھی پرانی ہندو کتابوں میں پایا جاتا ہے - جس نے اپنے نام پر ہرنڈ (ضلع ملتان) بھی آباد کیا تھا - کہتے ہیں کہ یہ راجہ اپنی طاقت کے زور میں خدا تک کو بھول گیا تھا - لیکن اس کا بیٹا پرہلاد ہر وقت گیان دھیان میں مگن اور ذکر و فکر میں مصروف رہا کرتا - باپ روکتا ٹوکتا - مگر پھر بھی پرہلاد سچے خدا کی پرستش نہ چھوڑتا - آخر ایک دن ہرناکش نے بیٹے کو دربار میں بُلایا - اور غصّے میں آ کر تلوار کھینچ لی - مگر کہتے ہیں کہ ہرناکش کے تلوار

کھینچتے ہی دربار کے کسی چوبی ستون سے ایک
ہیبت ناک شیر نے نکل کر فوراً ظالم ہرناکش کا کام
تمام کر دیا۔ جس کے بعد پرہلاد بھگت نے گدی
نشین ہو کر دھرم کرم میں اور بھی کوششیں کیں۔
ہندو اسی شیر کو "نرسنگھ اوتار" مانتے ہیں۔ اسی لحاظ
سے ریاست ملتان کا نام پرہلاد پوری مشہور ہوا۔
اور اب بھی پرہلاد پوری کا مندر ملتان میں موجود ہے۔
جالندھر شہر بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی زمانے کی
یادگار ہے۔ جس کو جالندھر نام ایک جوگی نے آباد
کیا تھا۔ کہتے ہیں۔ جالندھر خود تو بڑا سنگ دل
اور ناخدا ترس تھا۔ مگر اس کی دھرم پتنی (بیوی)
بڑی عبادت گزار تھی۔ جس کے بل پر وہ کسی
سے زیر نہ ہو سکتا تھا۔ آخر رام چندر جی مہاراج
نے خلق خدا کو اس کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائی۔

زمانۂ شجاعت

تم پڑھ چکے ہو کہ پنجاب میں پانسو سال رہ کر
آریوں کی مذہبی کتاب رگ وید مکمل ہو چکی تھی۔
یہ وہ زمانہ تھا کہ اس خطے پر ان کا پورا پورا عمل
دخل ہو چکا تھا۔ اور ان کی نسلیں بڑھتی دولت
کی طرح ترقی کر رہی تھیں۔ اس کے علاوہ وسط

ایشیا کے اور رہنے والے جب اپنے بھائیوں کو اس ملک میں خوش حال دیکھتے۔ تو انہیں بھی اِدھر آنے کی آرزو پیدا ہوتی۔ اس لئے اب ان لوگوں نے پنجاب سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اور بہت جلد وندھیا چل پہاڑ تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔ پرانے باشندے خواہ کیسے ہی کمزور تھے۔ مگر وہ آریوں کی لڑائی اور حکومت دونوں کے طریقے دیکھ چکے تھے۔ اس لئے غلامی کی مصیبت سے بچنے کے لئے اب انھوں نے جا بجا فتح مندوں کی روک تھام کرنی چاہی۔ جس سے آریوں کے لئے ملک گیری کسی قدر مشکل ہو گئی۔ اور انہیں قدم قدم پر پُرانے باشندوں سے لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ کیونکہ وہ بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنا کر اب اس قدر زور آور ہو گئے تھے۔ کہ آریہ اُنہیں راکھشس۔ اسُر اور دیت سمجھتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں آریوں نے بہادری کے زور سے ترقّی کی تھی۔ اس لئے اس کو "زمانۂ شجاعت" کہتے ہیں۔ اس زمانے کی داستانیں عموماً پنجاب سے باہر کی ہیں۔ جن کا ذکر اس تاریخ کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن اس قدر بتا دینا مناسب ہے کہ اجودھیا کے راجکمار رامچندر جی اسی زمانے میں ہوئے ہیں۔ جو ہندوؤں میں

"راما اوتار" کے لقب سے مشہور ہیں +

انہیں کی سوتیلی ماں نے ان کے باپ دسرتھ مہاراج سے کہہ کر انہیں چودہ برس کے لئے بن باس (جلا وطنی) کا حکم دلا دیا تھا۔ وہ گھر سے رخصت ہونے لگے۔ تو چھوٹے بھائی لچھمن جی اور دھرم پتنی (بیوی) سیتا جی نے بھی ساتھ دیا۔ اسی سفر میں جب رامچندر جی ڈنڈک کے بن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ تو ایک دن لنکا کے راجہ راون کی بہن سروپ نکھا ان دونوں بھائیوں کے مردانہ حُسن پر عاشق ہو گئی۔ مگر دونوں نے اس کے ساتھ شادی نامنظور کی۔ بلکہ لچھمن جی نے اُس کی اِس کھلی بے حیائی پر ناراض ہو کر اس کی خوبصورت ناک بھی کاٹ دی۔ جس پر سروپ نکھا نے بدلہ لینے کے لئے اپنے بھائی راون کو سیتا جی کے اٹھا لانے پر اُبھارا۔ چنانچہ وہ سادھوؤں کے بھیس میں مانگنے کے بہانے آ کر دونوں بھائیوں کی عدم موجودگی میں اکیلی سیتا جی کو اُٹھا لے گیا۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے سُراغ پا لینے پر اُنہوں نے راون پر چڑھائی کی اور بھاری لڑائی کے بعد اس کو قتل کر کے اس کا راج تو اسی کے بھائی کو بخش دیا۔ اور خود سیتا جی کو لے کر وطن کا رُخ کیا +

یہ بھی سُننے کے لائق ہے کہ رامچندر جی تو اس قصّے میں مصروف تھے - ان کی غیر حاضری میں راجہ دسرتھ کا انتقال ہو گیا تھا۔ مگر ان کے سوتیلے بھائی بھرت نے راج گدّی کو اُنہیں کا حق سمجھ کر ان سے واپسی کی درخواست کی۔ لیکن رامچندر جی نے فرمایا - جب تک والد کی مقرر کی ہوئی مدّت نہ گزر جائے - میں واپس نہیں آ سکتا - اتنی دیر تمہیں کو کام چلانا چاہیئے - چنانچہ بھرت ان کی واپسی تک کام کرتا رہا مگر اس طرح کہ ان کی کھڑاؤں کو گدّی پر رکھ کر خود بطورِ نائب کام کرتا - جب وہ لنکا کی فتح سے فارغ ہو کر گھر کو واپس ہوئے - تو بھرت اور وہاں کی رعایا نے بڑے چاؤ سے استقبال کرکے سر آنکھوں پر بٹھایا - اسی تقریب کی یادگار ہیں "دُسہرہ اور بھرت ملاپ" کی رسمیں اب تک ہندوستان و پنجاب میں جاری ہیں *

انہیں رامچندر جی مہاراج کے بیٹوں میں "لوہ" یا "لو" نے اپنے نام پر پنجاب میں "لوہ کوٹ" یا "لو کوٹ" بنایا - جو بعد میں لاہور شہر مشہور ہوُا - اور لوَ کے چھوٹے بھائی کشو نے قصور کی بنیاد رکھی - جو اس وقت ضلع لاہور کا ممتاز سب ڈویژن

اور پنجاب کا مشہور قصبہ ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مقامات آباد ہوئے۔ اور کئی عمارتیں بنیں ؛

اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا۔ سکے بھی بننے لگے تھے۔ اور امیروں کے مکان پکے ہؤا کرتے تھے۔ لباس میں بھی خاصی نفاست آ گئی تھی۔ اور حکومت کا ڈھنگ بھی اس زمانے کے مناسب حال ایسا سادہ تھا کہ رعایا خوش حال تھی ؛

لڑائیوں میں تلواروں۔ تیر کمانوں۔ بھالوں اور بانوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اُمراء رتھوں میں سوار ہوتے تھے۔ بھاری بھاری ہتھیاروں کا استعمال بہادری کی دلیل تھی۔ جھنڈے اور نشان بھی بن چکے تھے ؛

زمانۂ برہمنی جب آریہ قسمتوں کے دن دُونے رات چوگنے اقبال نے امن و اماں کی صورت اختیار کی۔ راجہ مہاراجہ ملک گیری میں مصروف ہو گئے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی یہاں تک رواج ہو گیا کہ خط و کتابت ہی نہیں۔ کتابیں تک تصنیف ہونے لگیں۔ تو وہ لوگ جو صرف مذہب کی خدمتیں کرتے۔ علم سیکھتے اور پوجا پاٹ میں مشغول رہتے تھے۔ برہمن کہلانے لگے۔ یعنی اب وہ دستور کہ ہر شخص اپنے خاندان کا آپ ہی پروہت ہو۔ موقوف ہو کر

یہ کام برہمنوں کے سپرد ہو گیا - جن کی سب لوگ راجا سے پرجا تک صدقِ دل سے عزت کرتے۔ اور ان کے اشاروں پر کام کرنا فخر سمجھتے تھے۔ اسی اعتبار سے زمانۂ شجاعت کا دوسرا نام "زمانۂ برہمنی" بھی مشہور ہے۔ کیونکہ اس میں مذہبی لحاظ سے برہمنوں کا درجہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ ذاتوں گوتوں کی تفریق کا بھی یہی زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے مشہور عالم منوجی مہاراج نے منوّ سمرتی یعنی اپنے دھرم شاستر میں ان تقسیموں کو بخوبی درج کیا ہے۔ جو اس وقت رائج تھیں۔ اس شاستر میں ذاتوں گوتوں کی ضمنی تفریق کے علاوہ چار بڑی قسمیں یہ دکھائی گئی ہیں :-

۱- برہمن یعنی پیشوایانِ مذہب ؛

۲- چھتری یا کھشتری یعنی وہ بہادر سپاہی جن میں سے راجہ بھی ہو جایا کرتے تھے ؛

۳- ویش یعنی تجارت پیشہ بیوپاری اشخاص ؛

۴- شودر یعنی پانی بھرنے والے ادنےٰ درجے کے خدمتگار۔ جو پہلے باشندوں میں سے ہندو بن چکے تھے ؛

ان کے علاوہ جو لوگ پرانے عقیدوں پر قائم تھے۔ انہیں چنڈال یعنی ناپاک سمجھ کر مہتر وغیرہ

کی خدمتیں سپرد کی گئیں ÷

منّوجی نے اپنے دھرم شاستر میں تقسیم ترکہ اور حقوق باہمی کے علاوہ حکومت کے قانون - قاعدے بھی ایسے درج کئے ہیں - جو ہندوؤں میں اب تک تقریباً ویسے ہی رائج چلے آتے ہیں ÷

زمانۂ مہابھارت

مہابھارت کا زمانہ حال کی تحقیقات کے مطابق سن عیسوی سے پندرہ سو سال پہلے کا زمانہ تھا۔ اُن ایام میں پنجاب پر راجہ جے ورتھ حکمران تھا۔ جس کی شادی کوروؤں کے مشہور سرگروہ دریودھن کی بہن کے ساتھ ہوئی تھی - کہتے ہیں کہ اس راجہ کی حکومت قندھار تک چلی گئی تھی - چنانچہ قرابت کی وجہ سے یہ بھی مہابھارت کی جنگ میں کوروؤں کی امداد میں شریک ہو کر پانڈوؤں کے ہاتھوں مارا گیا ÷

چونکہ کوروؤں پانڈوؤں کی جنگ پرانی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے - اور دریائے ستلج و جمنا کے اس درمیانی حصے میں جو موجودہ تقسیم کے مطابق پنجاب میں شامل ہے - اس جنگ کے اکثر واقعات رُو نما ہوئے ہیں - اس لئے مختصر

طور پر ان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے *

کوروؤں پانڈوؤں کی قرابت

ابتدائی زمانے میں مہاراجہ بھرت ہندوستان کا ایک بڑا طاقتور حکمران گزرا ہے۔ جس کی نسل میں راجہ سنتانو (دہلی کے قریب) ہستنا پور کا بانی ہوا ہے۔ اس کی اولاد میں دھرت راشٹر اور پانڈو ایک رانی کے پیٹ سے دو بیٹے تھے۔ ان میں دھرت راشٹر تو بڑا تھا۔ مگر پیدائشی اندھا ہونے کے باعث اُس وقت کے قانون قاعدے کے مطابق راجہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے باپ کے بعد چھوٹا لڑکا پانڈو گدی نشین ہوا۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) یُدھشٹر۔ (۲) بھیم سین۔ (۳) ارجن (۴) سہدیو (۵) نکل۔ یہ لڑکے بہادر اور پُورے دھرم دان تھے۔ دھرت راشٹر کے بھی سو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جن میں سے بڑے لڑکے کا نام دریودھن تھا۔ یہ سب کورو کہلاتے تھے۔ پانڈو کا انتقال ہوا۔ تو لڑکوں کے بالغ ہونے تک ریاست کا انتظام دھرت راشٹر کے ہاتھ میں رہا۔ اور دونوں بھائیوں کی اولاد کی تعلیم و تربیت درونہ اچارج گُرو کے سپُرد ہوئی۔ جو بہت لائق ادیب اور مشہور بہادر تیر انداز تھے۔ ریاست ہستنا پور کی طرف

سے انہیں بطور جاگیر ایک گاؤں دیا گیا۔ جو گرُو جی کی مُناسبت سے گرُو گرام مشہور ہؤا۔ اور بدلتے بدلتے گوڑ گاؤں ہو گیا ہے۔ اب پنجاب کا آخری جنوبی ضلع اور ایک آباد شہر ہے۔ اس میں گرُو جی کے بنوائے ہوئے مندر۔ تالاب اور کوروؤں پانڈوؤں کے رہنے سہنے کی عمارتوں کے نشان اب تک موجود ہیں۔ غرض گرُو جی کی تعلیم تو سب کے لئے برابر تھی۔ مگر پانڈو اس سے بہت زیادہ مستفید ہوئے۔ کیونکہ یہ قدرتی طور پر ذہین اور نیکدِل تھے۔ لیکن کورو دل کے چھوٹے اور شیخی خورے تھے۔ اس لئے لڑکپن ہی میں اُنہیں پانڈوؤں کی علمی ترقیوں پر حسد پیدا ہؤا۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد جب لڑکوں کے جوان ہونے پر ولیعہد بنانے کا معاملہ پیش ہؤا۔ تو اگرچہ حق یُدھشٹر کا تھا۔ مگر دریودھن کی ضد سے وہی ولیعہد بنایا گیا۔ اور پانڈوؤں کو ریاست کا کچھ حصّہ علٰحدہ دیا جانا تجویز ہؤا ؂

تقسیمِ ریاست اور لاکھا محل وغیرہ اس تقسیم میں پانچوں پانڈوؤں کو جو حصّہ دیا گیا۔ اس کا صدر مقام برناوہ تھا۔ جو بعد میں الہ آباد مشہور ہؤا۔ (یہ شہر اس وقت صوبجات متحدہ کا صدر مقام ہے)

لکھا ہے کہ دریودھن نے وہاں کا راج محل پانڈوؤں کی خاطر بظاہر تو خود مستری معمار بھیج کر بڑے چاؤ سے بنوایا۔ مگر بدنیتی سے اُس کے مصالح میں اس لئے رال اور لاکھ رلوا دی۔ کہ جب پانچوں بھائی آرام کرتے ہوں۔ تو چپکے سے آگ لگا دی جائے۔ اور یہ سب لوگ محل سمیت جل مریں۔ مگر کسی طرح یُدھشٹر کو اس چالاکی کی اطلاع ہو گئی۔ جس نے ایک رات خود بخود محل کو آگ لگا کر بھائیوں سمیت جنگل کی راہ اختیار کی۔ کوروؤں نے تو یہ سمجھا کہ محل کے ساتھ ان کا جھگڑا بھی ہمیشہ کے لئے تمام ہو گیا ہوگا۔ مگر یہ پانچوں زندہ و سلامت برہمنی صورت بنائے اِدھر اُدھر چلتے پھرتے رہے +

دروپدی کا سوئمبر اسی اثنا میں پنچالہ کے راجہ دروپد نے اپنی لڑکی دروپدی کے سوئمبر کا اعلان کیا۔ جس میں شامل ہونے کو دُور دُور کے راج کمار

ئہ شاستر میں بیاہ کئی قسم کے لکھے ہیں۔(۱) لڑکی کا باپ اُسے اپنی مرضی سے مناسب جگہ بیاہ دے۔(۲) عورت اور مرد دونوں خود راضی ہو جائیں۔(۳) کسی امیر یا راجے کی لڑکی تمام خواہشمندوں میں سے دیکھ بھال کر کسی کو خود منتخب کرے اور پھولوں کی مالا اس کے گلے میں ڈال دے۔ وغیرہ +

اس کے مہمان ہوئے۔ ہستناپور سے کوروؤں کا سرغنہ دریودھن اور پنجاب سے اُس کا بہنوئی راجہ جے ورتھ اور راجہ سوٹ والی دوآبہ۔ غرض بہت سے مشہور راج کمار جلسے کے وقت حاضر تھے کہ اتفاق سے پانچوں پانڈو بھی پھرتے پھراتے وہیں جا نکلے۔ اس جلسے میں بھاری تیر و کمان رکھے تھے۔ دروپد نے جواہرات کی ایک مچھلی کسی ستون پر لگوا دی تھی۔ اور اس کے نیچے ایک چکر گھوم رہا تھا۔ شرط یہ تھی کہ جس شخص کا تیر چکر میں سے نکل کر مچھلی کو جا لگیگا۔ دروپدی اس کی رانی ہو جائیگی۔ مگر اوّل تو کمان اتنی بھاری تھی کہ کسی سے اُٹھ نہ سکتی تھی۔ اس پر پھرتے ہوئے چکر میں سے تیر کا نکل کر نشانے پر بیٹھنا اور بھی مشکل تھا۔ اس لئے سب عاجز آ گئے۔ مگر پانڈوؤں میں سے ارجن نے اُسی بھاری کمان کو کھینچ کر ایسا نشانہ لگایا کہ عین مچھلی کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ جس کی تمام حاضرین نے بے اختیار داد دی۔ اور دروپدی نے بھی خوشی خوشی جیمال (پھولوں یا موتیوں کی مالا) ارجن کے گلے میں ڈال دی۔ ارجن اس وقت برہمنوں کی شکل میں تھا۔ اس لئے راجہ کی بیٹی کا برہمن کے گھر

جانا عموماً سب کو ناگوار گزرا۔ لیکن جلسہ ختم ہونے پر جب پانڈوؤں کا حسب نسب معلوم ہوا۔ تو راجہ نے خوش ہو کر سری کرشن[1] جی اور بدر[2] جی کے ذریعے سے پانڈوؤں کوروؤں کو دھرت راشٹر سے آدھا ملک دلوا دیا ✣

اندر پرست میں راجیسو جگ

کوروؤں نے پانڈوؤں کو ریاست کا جو حصہ دیا تھا۔ وہ ویران جنگل پڑا تھا۔ جسے ان پانچوں نے بڑی محنت سے صاف کیا۔ اور پھر اسی میں اندر پرست شہر کی بنیاد ڈالی۔ شہر بن جانے اور ریاست کے لوازم پورے کرنے کے بعد یدھشٹر مہاراج نے دور و نزدیک کے تمام راجاؤں کو مطیع کر کے ایک شہنشاہی جشن (راجیسو جگ) رچایا۔ جس میں تقریباً تمام ہندوستان کے راجہ مہاراجہ دوستی اور ماتحتی کی حیثیت سے آ کر شریک ہوئے۔ اس جشن میں کورو بھائی بھی شامل تھے۔ مگر خوش ہونے کی بجائے ان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی ✣

[1] سری کرشن جی دوارکا کے راجہ تھے۔ اور اپنے زمانے میں اتنے دانا اور قابل مانے جاتے تھے کہ ہندو انہیں اوتار مانتے تھے ✣

[2] بدر جی دھرت راشٹر کے سوتیلے بھائی اور کوروؤں کے سپہ سالار تھے ✣

یُدھشٹر کا جُوئے میں راج اور رانی کو ہارنا۔

تھوڑے دنوں بعد دھرت راشٹر کے ذریعے سے کوروؤں نے یدھشٹر کو ہستنا پور بلوا کر جوئے کی چاٹ لگائی۔ اور داؤ پر راج لگا کر جوُا ہوُا۔ تو جعلی پانسے پھینک کر یدھشٹر سے سب کچھ جیت لیا۔ پھر دروپدی پر بازی لگی۔ اور اُسی حکمت سے اب بھی دریودھن ہی جیتا۔ آخر کونسل کرکے یدھشٹر کو بھائیوں اور دروپدی سمیت چودہ سال کے لئے راج سے علٰحدگی اور جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ جس پر یہ پانچوں بھائی مع رانی دروپدی کے پھر مدتوں جنگلوں میں گھومتے اور تپسیا کرتے رہے۔ اور اسی اثنا میں کچھ عرصہ پنجاب و کشمیر کے پہاڑوں میں بھی گزار گئے۔ تیرہ سال گزر چکے

تیرہ سال کے بعد پانڈوؤں کا ظاہر ہونا

تو پانچوں بھائیوں نے بھیس بدل کر براٹ نگر کے راجہ کے ہاں مختلف خدمتوں پر نوکریاں کریں۔ اتفاق سے اسی وقت کوروؤں نے براٹ نگر پر حملہ کیا۔ جس میں ان نو ملازم پانڈوؤں نے وہ بہادری دکھائی کہ کوروؤں کو نقصان کے ساتھ شکست کھانی پڑی۔ جنگ کے بعد جب براٹ نگر کے راجہ کو پانڈوؤں کی اصلیت معلوم ہوئی۔ تو اس نے راجہ دروپد اور سری کرشن جی کو اطلاع دی۔ اور تجویز ہوئی کہ اب

اُنہیں نصف ریاست کوروؤں سے واپس دِلوا دی جائے۔ مگر کوروؤں نے ریاست کا بانٹنا نامنظور کرکے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اور اپنے خیرخواہوں اور رشتہ دار راجاؤں کو بھی امداد کے لئے بُلاوا دے دیا۔ جس پر اِدھر پانڈوؤں کے خیرخواہ راجاؤں نے بھی اپنے امدادی لشکر ان کی حمایت میں بھیج دئے +

سری کرشن جی مہاراج کی دانائی کی مثال

کہتے ہیں۔ سری کرشن جی مہاراج اپنی راجدھانی دوارکا (گجرات کاٹھیاواڑ) میں مقیم تھے کہ ان کی خدمت میں ہونے والی جنگ کے لئے امداد مانگنے کو اِدھر سے ارجن اور اُدھر سے دریودھن ایک ہی وقت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت کرشن مہاراج سو رہے تھے۔ ارجن تو پاس ادب سے پائینتی کی طرف بیٹھ گیا۔ اور دریودھن سرہانے کی جانب۔ کرشن جی کی آنکھ کھُلی۔ تو ان کی نظر پہلے ارجن پر پڑی۔ پھر دریودھن پر۔ سلام و کلام کے بعد دونوں نے مطلب کی بات کہی۔ تو آپ نے فرمایا "میری آنکھ گو پہلے ارجن ہی پر پڑی ہے۔ اس لئے امداد کا بھی وہی حق دار ہے۔ مگر خیر چونکہ تم دونوں میری نظر میں برابر ہو۔ اس لئے ایک شخص

کی امداد کو تو میرا خزانہ و فوج موجود ہے۔ اور دوسرے کی خدمت کو خاص میری ذات "۔ جس پر ارجن نے تو ان کی ذاتی امداد قبول کی۔ اور دریودھن نے ان کی فوج اور دولت پر رضامندی کا اظہار کیا۔ مگر دانائی اور ایمانداری وہ چیز ہے کہ پانڈوؤں کی حمایت میں کرشن جی کی اکیلی ذات نے وہ کچھ کر دکھایا۔ جو کوروؤں کی بے شمار فوج سے بھی نہ ہو سکا ؛

کورو چھیتر میں جنگِ عظیم دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو چکیں۔ تو تھانیسر میدانِ جنگ قرار پایا۔ جو اس وقت پنجاب کے ضلع کرنال کا ایک تاریخی مقام گنا جاتا ہے۔ یہ قصبہ ایک مندر " تھان ایشور" کی وجہ سے استعمالِ عام میں "تھانیسر" مشہور ہو گیا ہے۔ جنگ کے وقت یہ کوروؤں کے قبضے میں تھا۔ اسی قصبے کے پاس ایک بڑے میدان "کورو کشیتر" یا " کورو چھیتر" میں جنگ ہوئی۔ جس کا نام گویا اس جنگ کی تاریخی یادگار ہے۔ اس بہت بڑی جنگ میں کوروؤں کی فوج تعداد میں چوبیس لاکھ اور پانڈوؤں کی سولہ لاکھ تھی۔ یعنی دونوں طرف سے چالیس لاکھ کی جمعیت تھی۔ جنگ ہوئی۔ تو دونوں طرف کے بہادروں نے خوب دادِ شجاعت دی۔

توپ اور بندوق کا تو اس زمانے میں نام نہ تھا۔ بان اور تیر و خنجر کی لڑائی تھی۔ بہادر لوگ اپنے اپنے درجہ و رُتبہ کے موافق ہاتھیوں۔ گھوڑوں۔ اور رتھوں پر سوار ہو کر لڑتے تھے۔ پیدل فوج بھی ساتھ ہوتی تھی۔ ارجن کی رتھ بانی پر کرشن جی مقرّر تھے۔ جن کی قیمتی تدبیروں اور ارجن کی بے نظیر شجاعت نے اٹھارہ دن کی جنگ کے بعد کوروؤں کو شکستِ فاش دے کر فتحمند یدھشٹر کو ہستنا پور کی راج گدّی پر بٹھا دیا۔ چونکہ یہ بہت نرم دل تھے۔ اس لئے فتحیاب ہو کر گدّی پانے پر بھی چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے مارے جانے پر اکثر غمناک رہا کرتے۔ اس لئے درونہ اچارج وغیرہ لائق عالموں نے انہیں ایک اشو میدھ جگ کرنے کی تدبیر بتائی۔ جو نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔ اور تمام ہندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں نے انہیں اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ مگر اس کے بعد یکے بعد دیگرے دھرت راشٹر اور کرشن مہاراج بھی پرلوک سدھار گئے۔ اس لئے یدھشٹر مہاراج نے دنیا سے علیحدہ ہو کر راج کا کام اپنے بھتیجے راجہ پریچھت کو دے دیا۔ اور خود چاروں بھائیوں

اور رانی دروپدی سمیت ہمالیہ پہاڑ کے قدرتی نظاروں میں تپستیا کرنے کی ٹھان لی۔ پھر وہیں اُن لوگوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا +

جنگِ مہابھارت کے بعد پنجاب کی حالت

اس جنگ کے بعد تقریباً تمام ہندوستان کی حکومتوں میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اکثر راجہ مہاراجہ اور بہادر جوان بلکہ مشہور عالم و فاضل بھی کسی نہ کسی طرف سے شریک ہو کر جنگ میں مارے گئے تھے۔ پنجاب میں بھی ویسے ہی حالات گزرے۔ وشنو بھاگ میں لکھا ہے کہ راجہ بھیم سین نے دس ہزار سواروں کے ساتھ لاہور کے راجہ بان سل پر حملہ کیا۔ اور اُسے قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ راجہ بھیم سین یدھشٹر مہاراج کا بھائی تھا۔ جسے قدرتی طور پر پنجاب کے ان تمام راجاؤں کو سزا دینے کا خیال ہونا چاہئے تھا۔ جو راجہ جے درتھ کی وجہ سے کوروؤں کی امداد میں پانڈوؤں سے لڑ چکے تھے۔ بان سل کے علاوہ کشمیر کا راجہ آو گونند بھی کوروؤں کی حمایت میں سری کرشن جی کے ہاتھ سے مر چکا تھا۔ جب وہ راجۂ قندھار کی شادی میں شریک ہونے گئے۔ تو آو گونند کے بیٹے دامودر نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے ان پر بھی حملہ کر

دیا۔ مگر انہیں مارتے مارتے اُن کے ہاتھ سے آپ ہی مارا گیا۔ اور کرشن جی نے کشمیر اسی داموور کی بیوہ اور حاملہ رانی جسومتی کو بخش دیا۔ ایسے ہی بہت واقعات اور بھی گزرے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانی کاوِشوں کے باعث مہابھارت کے بعد بھی اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں +

ٹاڈ راجستان میں لکھا ہے کہ راجہ کنک سین جو راجپوتانے میں جا کر ریاست میواڑ کا بانی ہؤا۔ پہلے لاہور ہی کا راجہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ کسی زمانے میں جیسلمیر کی بھاٹ قوم بھی لاہور پر حکمران رہ چکی ہے۔ جس کی دائمی یادگار لاہور میں اب تک بھاٹی دروازے کے نام سے مشہور ہے +

اُس زمانے میں سیالکوٹ کے علاقے پر راجہ سلؔ (کرن کا ماموں) کی حکومت تھی۔ اور وہی پنجاب کا بڑا راجہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسا ہی جا بجا بعض اور خاندان بھی حکمران تھے۔ مگر ان کی باقاعدہ تفصیل اب کہیں نہیں ملتی +

بیدیوں اور سوڈھیوں کی ابتدا

غالباً سوڈھیوں اور

؎ اس کی نسل میں سے مہاراجہ سالباہن ہؤا ہے۔ اس نے ایک قلعہ بنا کر اس کا نام سل کوٹ رکھا۔ جو سیالکوٹ مشہور ہے +

بیدیوں کی ابتدا بھی اُسی زمانے میں ہوئی ہے۔
کہتے ہیں۔ ایک زمانے میں لَو اور کشو کی نسل سے
کلراؤ اور کلپت لاہور اور قصور کے حکمران تھے۔
جن میں سے ایک دفعہ قصور کے راجہ کلپت نے
لاہور کے حکمران کلراؤ پر حملہ کر دیا۔ کلراؤ مقابلے
کی تاب نہ لا کر دکن چلا گیا۔ اور وہاں بہادری
سے وہ نام پیدا کیا کہ دکن کے راجہ امرت
نے اُسے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ جس کے بطن سے
سوڈھی راؤ ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے جوان
ہو کر باپ کا بدلہ لینے کے لئے کلپت پر چڑھائی
کر دی۔ چونکہ بوڑھے کلپت میں اب مقابلے کی قوت
نہ تھی۔ اس لئے شکست کھا کر بنارس بھاگ گیا۔
اور وہاں بید پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ اسی عالم
میں جب بید پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچا۔
کہ "دوسرے کا حق مارنا سخت گناہ ہے"۔ تو اُسے
خیال آیا کہ میں نے بھی کلراؤ کا حق مارنے سے
بڑا پاپ کیا تھا۔ اس لئے اب وہ اس کے بیٹے
سوڈھی راؤ سے اپنا گناہ بخشوانے کو لاہور آیا۔
مگر اس کے معافی چاہنے کا سوڈھی راؤ پر اتنا
اثر ہوا کہ اس نے فتح کیا ہوا راج کلپت کے
سپرد کر دیا۔ اور بجائے اس کے خود بید پڑھنے

لگا۔ جب سے سوڈھی راؤ کی اولاد کو سوڈھی اور کلپت کی اولاد کو بیدی کہتے ہیں ؎

بُدھ مت کا زمانہ

بُدھ مت کے بانی "گوتم مہاراج" "ساکیہ" قوم کے ایک راجہ کے ولی عہد ہوئے ہیں۔ جس کی راج دھانی گورکھ پور کے قریب "کپل وستو" شہر تھا۔ لکھا ہے کہ جب انہوں نے جوان ہو کر انسانی ہستی اور اُس غفلت پر غور کیا۔ جو اسے دنیا کی ناپائدار خوشیوں میں رجھائے ہوئے ہے۔ تو نجات کی طرف سے سخت بے چین ہو گئے۔ اور راجدھانی چھوڑ پہاڑوں اور جنگلوں میں رشیوں اور منیوں کی صحبت تلاش کرتے رہے۔ لیکن کہیں تسلی کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر "گیا" کے پاس ایک بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے اُن کے دل میں یہ روشنی نمودار ہوئی کہ خالی تپسیا یا قربانیاں اور ہون کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خدمتِ خلق میں زندگی گزارنا اور کسی کو دُکھ نہ پہنچانا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ اس خیال سے جب ان کے دل کو تسلی ہوئی۔ تو انہوں نے خدمتِ خلق کا ارادہ کر کے علم پڑھنے

اور نجات پانے کے حقوق میں شودروں بلکہ چنڈالوں تک کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ ان کی سیدھی سادی تعلیم بہت جلد مقبول ہو گئی۔ پہلے تو چھوٹے درجے والے شریک ہوئے۔ پھر رفتہ رفتہ اکثر راجہ مہاراجہ بھی شامل ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں گوتم بدھ کا بوڑھا باپ بھی تمام کنبے سمیت گوتم ہی کا پیرو ہو گیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے سن عیسوی سے پانسو سال پہلے سے لے کر چوتھی صدی عیسوی تک تقریباً نو سو برس تمام ہندوستان و پنجاب کا راج دھرم بدھ مت ہی بن گیا ❖

پنجاب کے بیرونی حملہ آور معلوم ہوتا ہے کہ سنہ قبل مسیح میں بدھ مت پھیلنے کے وقت پنجاب کی ریاستیں بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ جن پر ایرانی اور پھر یونانی سردار حملہ آور ہوتے رہے۔ بلکہ اُن کے بعد وسط ایشیا کی سنتھین اقوام نے بھی تھوڑا تھوڑا عرصہ تسلط جمایا۔ پھر یہاں کے رہنے والوں میں مل جُل کر خود بھی بُدھ مذہب اختیار کر لیا ❖

ایرانیوں کا حملہ آریہ حملہ آوروں کے بعد سنہ قبل مسیح میں بُدھ مذہب کی ترقی کے زمانے میں بیرونی

آنے والوں میں سے پنجاب پر دارا گشتاسپ شاہ ایران نے حملہ کیا۔ جس کے یونانی امیرالبحر "سائی لیکس" نے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے اٹک عبور کرنے کے بعد پنجاب پر حملہ کر دیا۔ فتحمند ایرانی تقریباً دو سو سال پنجاب میں رہے۔ مگر پھر یہیں کے باشندوں میں مل جل گئے۔ دارا کے ساتھ کسی لڑائی کا ذکر تاریخ میں نہیں دیکھا جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کی حالت اس وقت نہایت کمزور تھی اور غالباً کسی کو لڑائی کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔

سکندر اعظم کا حملہ دارا گشتاسپ نے جس طرح فتوحات بڑھانے کے خیال سے پنجاب پر حملہ کیا تھا۔ ویسے ہی کیخسرو شاہ فارس نے یونان پر حملہ کر دیا تھا۔ جس کا بدلہ لینے کو سکندر اعظم یونان کے بادشاہ نے ایران پر فوج کشی کر کے اس وقت کے بادشاہ دارا ثانی کو شکست دینے اور فارس پر قبضہ کرنے کے بعد ۳۲۷ قبل مسیح میں پنجاب کی راہ لی۔ سکندر درۂ خیبر کے راستے کوہ ہمالیہ سے گزر کر اٹک پہنچا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہو گیا۔ اس وقت دوآبہ سندھ ساگر پر ریاست ٹیکسلا کی حکومت تھی۔ جس کے راجہ نے سکندر کی خدمت میں پچیس ہاتھی نذر

کرنے سے اظہارِ اطاعت کیا ؂

سکندر و پورس کی لڑائی سکندر ریاست ٹیکسلا کو مطیع کرکے دوآبہ رچ یا چنبہ میں داخل ہُوا۔ اُس پر اُن دنوں راجہ پورس حکمران تھا۔ جو قوم سے چھتری اور غالباً بدھ مت کا پیرو تھا۔ گجرات کے قریب لب دریا اس نے دو سو فیل نشین بہادروں۔ تین سو رتھ سواروں اور ہزاروں پیادوں کے ساتھ سکندر کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ مگر جب اس کی پینتیس ہزار باقاعدہ فوج نے راتوں رات چکر کھا کر پورس کی فوج پر عقب سے حملہ کیا۔ تو راجہ کے دونوں جوان بیٹوں کے قتل ہوتے ہی اس کی فوج منہ پھیر گئی۔ اور میدان سکندر کے ہاتھ رہا۔ کہتے ہیں۔ اس موقع پر پورس نے جب اظہارِ اطاعت کے طور پر اپنی تلوار سکندر کے سامنے پیش کی۔ تو سکندر نے پوچھا۔ "بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے"۔ پورس نے استقلال سے جواب دیا "وہی سلوک جو ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرنا چاہیئے"۔ اس پر سکندر پورس کی حاضر جوابی اور خود داری سے اتنا خوش ہُوا کہ اس نے نہ صرف اسی کا تمام علاقہ اس کو واپس دے دیا۔ بلکہ پنجاب کا اپنا باقی تمام مفتوحہ علاقہ بھی اسی کے حوالے

کر دیا +

سُفیاٹش سے جنگ دوآبہ باری کے علاقے پر اس وقت راجہ سفیاٹس حکمران تھا۔ اور لکھا ہے کہ اُس نے بھی سکندر سے ایک ناکام مقابلہ کیا تھا۔ اِس لڑائی کی بابت مؤرخین کا اِختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ سکندر کو دریائے راوی کے عبُور کرنے پر لاہور کے باہر یہ مقابلہ پیش آیا تھا۔ اور بعض کی رائے میں یہ لڑائی وہاں ہوئی تھی۔ جہاں ستلج اور بیاس مِل کر گھارا کہلاتے ہیں۔ پنجابیوں کی لڑائی کا ڈھنگ اس زمانے میں بھی مہابھارت کے زمانے کا سا تھا۔ کہ کچھ لوگ ہاتھیوں پر سوار تیر اندازی کرتے تھے۔ پیادہ دست بدست لڑائی لڑتے تھے۔ اس کے علاوہ پالتو کتوں کی ایک پلٹن بھی ساتھ ہوتی تھی۔ جو ضرورت کے وقت دشمن کی فوج پر جھپٹ کر کھل بلی مچا دیتے۔ پنجابی سمجھتے تھے کہ چار کتوں میں ایک شیر کا زور ہوتا ہے +

سکندر کی واپسی سکندر نے ستلج اور بیاس کے مقامِ اتصال پر دو روز قیام کرکے ان فتوحات کے لئے قربانی کی رسم ادا کی۔ مگر چونکہ اس کی فوج یونان سے دُور اتنے لمبے سفر سے اُکتا گئی تھی۔ اِس لئے اُس نے یہاں کی باقاعدہ حکومت کا


نقشہ
سکندر اعظم کی آمد و رفت
جلال آباد
ٹکسلا
ریاست ٹکسلا
سلسلہ کوہ نمک
ریاست گکاہا
گجرات
علاقہ پورس
پورس
سانگلہ
دریائے چناب
دریائے جہلم
دریائے ستلج
ملتان
اوچ
دریائے سندھ
ریاست مولیاس
ریاست پٹیالہ
حیدر آباد
کراچی
ہری پور
دارا پور
کوہستان نمک
جلالپور
شیر پور
عبد اللہ پور
کوہستان ترکہ

خیال چھوڑ کر آگے بڑھنے کی بجائے پنجاب ہی میں ایک مختصر چکر لگایا۔ یعنی اوّل تو وہ گھارا سے سانگلہ آیا۔ اور جب وہاں کے راجہ نے بھی اطاعت کی جگہ سرکشی دکھائی۔ تو اس نے سانگلہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پھر وہاں سے چل کر وہ اس مقام پر پہنچا۔ جہاں آج کل شہر امرت سر آباد ہے۔ یہاں سے وہ پھر پورس کے علاقے میں داخل ہؤا۔ اور غالباً تمام مفتوحہ علاقہ پورس کے سپرد کر کے دریائے جہلم کے مشرقی کنارے سے ہوتا ہؤا کوٹ کمالیہ سے تلمبہ اور وہاں سے ملتان جا پہنچا۔ جہاں اُسے ایسی سخت لڑائی کرنی پڑی۔ کہ وہ خود بھی زخمی ہو گیا۔ مگر آخر فتح اُسی نے پائی۔ یہاں سے وہ اُوچ جا کر سندھ میں سے ہوتا ہؤا بلوچستان جا پہنچا۔ بلوچستان میں سکندر کا گزر اُس مقام پر ہؤا۔ جہاں اب قلعہ سنڈیمن بنا ہؤا ہے۔ وہاں سے اس نے برہمن آباد (حیدر آباد) کا رُخ کیا۔ اور وہاں سے پٹالہ ہو کر کراچی پہنچنے کے بعد خود تو خشکی کی راہ وطن کو چل دیا۔ اور فوج کو اپنے جرنیل نیارکس کے ساتھ خلیج فارس اور دریائے فرات کے راستے

یونان واپس کر دیا۔ اسی سفر میں سکندر کو گھر پہنچنے سے پہلے بخار آیا۔ اور شہر بابل[1] میں اُس نے اسی مرض سے وفات پائی +

یُونانی مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ پنجاب میں سکندر اِتنی دُور پہنچ گیا تھا کہ وہاں سے دریائے گنگا گیارہ روز کا راستہ تھا۔ مگر قیاس ہے کہ یونانیوں نے غلطی سے جمنا کو گنگا سمجھ لیا تھا +

پنجاب پر شاہ سلوکس کا حملہ

سکندر کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے فوجی جرنیلوں ہی نے اس کی سلطنت کے حصّے بخرے کر لئے۔ اور اس تقسیم میں ایشیا کا علاقہ جرنیل سلوکس کے ہاتھ آیا۔ جس نے کچھ عرصہ بعد پنجاب پر پھر فوج کشی کی۔ مگر اس سے پہلے یہاں مگدھ کے مشہور اور بہادر راجہ چندر گپت کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لئے سلوکس کو زیادہ جرأت نہ ہو سکی۔ اور دونوں میں اس طرح صلح ہو گئی کہ چندر گپت نے پچاس ہاتھی سلوکس کی نذر کئے۔ اور سلوکس نے اپنی بیٹی کا بیاہ چندر گپت کے ساتھ کرکے دریائے سندھ سے افغانستان تک کا علاقہ جو برائے نام

[1] شام کا ایک مشہور مقام تھا۔ جس کے اب صرف کھنڈر باقی ہیں +

اس کے زیر حکومت تھا - اپنی لڑکی کے جہیز میں دے دیا ۔

یونانیوں کی اولاد پنجاب میں معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کے بعد بدھ مت کے ایام میں پنجاب میں کوئی ایسی زبردست سلطنت قائم نہ تھی - جو بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام کر سکتی - دارا آیا - تو اس نے قبضہ کر لیا - سکندر آیا - تو اس کے سامنے بھی کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی - چندر گپت اور سلوکس میں رشتہ داری نے پردہ ڈال دیا - ان کے بعد اکثر یونانیوں کی وہ اولاد پنجاب کے علاقوں پر قابض ہوتی رہی - جو ایران میں سکندر اعظم کی فتح کے بعد پیدا ہوئی تھی - اور جس کی حکومت ایران اور افغانستان سے شمالی پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی ۔

کنشک کی حکومت ۴۵ء سے ۲۲۵ء تک پنجاب میں کوشن قوم حکمران رہی - جس کے راجاؤں میں کنشک ایک طاقتور راجہ ہؤا ہے - اس کا مذہب بدھ تھا - اُس نے پرش پور کو (جسے اب پشاور کہتے ہیں) اپنی راجدھانی بنا کر وہاں بدھ مت کا ایک عظیم الشان وہار[1] بنایا تھا - چنانچہ ۱۹۰۷ء

[1] بدھ مندر

میں اسی کنشک کے بنائے ہوئے وہار کے کھنڈروں (واقع پشاور) میں سے جواہرات کی بنی ہوئی ایک صندوقچی نکلی تھی۔ جس کی نسبت قیاس کیا گیا تھا کہ اس میں گوتم بدھ کے پھول (ہڈیاں) تھے۔ چنانچہ یہ مقدس تحفہ سرکار انگریزی نے حکومت چین کو بھجوا دیا۔ جو دنیا میں سب سے بڑی بدھ کی حکومت ہے۔ پھر ۱۹۱۰ء میں ضلع راولپنڈی سے بھی کچھ ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ اور سرکار نے ان کا ہندوستان میں رکھنا منظور فرمایا۔ خاندان گپتا کے زوال پر ہُن قوم نے

ہُن خاندان

آریوں کی طرح وسط ایشیا سے آکر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ مگر یہ لوگ ہردلعزیز نہ ہو سکے۔ ان میں تورمان ایک مشہور حکمران ہوا ہے۔ جو طاقت کے ساتھ حکومت کی لیاقت بھی رکھتا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا مہر گل نہایت سخت مزاج تھا۔ اس لئے جب وہ باپ کی جگہ راج گدی پر بیٹھا۔ تو پنجابی سرداروں نے اتفاق کر کے اس کو ملتان کے پاس کہروڑ کے مقام پر سخت شکست دی۔ جس سے وہ بمشکل جان بچا کر کشمیر کی طرف بھاگ نکلا۔ اور وہیں مر گیا۔ ہُن قوم کی حکومت پنجاب میں

غالباً سنہ ۴۵۰ء سے سنہ ۵۲۸ء تک اٹھتّر سال رہی۔ اس خاندان کے مذہب کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر چونکہ اس وقت ہندوستان میں بُدھ مت راج دھرم تھا۔ اس لئے ہُن قوم کا خواہ کوئی مذہب ہو۔ یہ بُدھ فرمانرواؤں ہی کے زیر سایہ سمجھے جاتے تھے ÷

راجہ ہرش یا شیلا دتیہ کی حکومت

بُدھ کے آخری راجاؤں میں راجہ ہرش یا شیلا دتیہ ایک نامور حکمران گذرا ہے۔ جس کی حکومت مگدھ سے اِدھر تھانیسر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ پشاور سے آسام تک کے راجہ اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس راجہ نے سنہ ۶۳۴ء میں بُدھ مت کی ایک مجلس منعقد کی۔ جس میں اِکتّیس راجہ شامل ہوئے۔ اس مجلس میں ہندو مذہب اور بُدھ مت کے عقائد پر بڑی آزادی سے بحث ہوئی۔ راجہ اگرچہ بُدھ مت کا پَیرو تھا۔ مگر اتنا بے تعصب کہ ہندو مذہب کی عزّت و توقیر اور ان کی روایتوں اور اعتقادوں کی تعظیم بھی اصل ہندوؤں کی طرح کرتا تھا۔ اُس کی عادت تھی کہ ہر پانچ سال کے بعد پچھتّر روز تک عام و خاص کی دعوت کرکے اپنے ہاتھ سے

برہمنوں اور بھکشوؤں کی خدمت کرتا۔ اور دعوت کے خاتمے پر تمام مال و زر غریبوں کو بانٹ کر خود فقیروں کی سی گدڑی پہن لیتا۔

سیّاحانِ چین تیسری صدی عیسوی کے اختتام پر ایک چینی سیّاح فاہیان پنجاب سے ہوتا ہوا ہندوستان کو دیکھ کر سیلون گیا۔ اس سیاح نے شمالی ہندوستان یعنی پنجاب و صوبۂ سرحد میں بُدھ مت کے راج کی جو کیفیت بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "بُدھ[1] لوگ اپنی حکومت میں نہ تو جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ نہ لہسن پیاز کھاتے تھے۔ البتہ نیچ ذات کے لوگ اس قید سے مستثنےٰ تھے۔ بُدھ راجہ رحم دل تھے۔ جو مُجرموں کو اکثر جُرمانے کی سزا دیتے۔ البتہ جو لوگ واجب القتل سمجھے جاتے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹوا دیا جاتا۔ ملک میں جا بجا بُدھ وہوار بنے ہوئے تھے۔ جن میں بھکشو[1] اور بھکشنیاں رہتی تھیں۔ اور ان کے کھانے پہننے پڑھنے وغیرہ کا انتظام بالکل حکومت کے ذمّے تھا۔ شفاخانے عام تھے۔ جن میں عام لوگوں کا علاج مفت ہوتا تھا۔ بلکہ جانوروں کے علاج کے

[1] بدھ مت کے درویش یا واعظ

جائے بھی ہسپتال بنے ہوئے تھے"۔

اس سیاح کے بعد ہوان سانگ راجہ ہرش کے زمانے میں آیا۔ وہ کہتا ہے "میں نے ہندو دھرم اور بُدھ مت دونوں کو یکساں ترقی کرتے دیکھا ہے۔ ہر شخص اپنے مذہبی خیالات میں آزاد ہے۔ رعایا آسودہ ہے۔ اور دونوں مذہبوں کے عالموں کی عزت ہوتی ہے"۔

بدھ مت کا زوال اور ہندو مذہب کی دوبارہ سرسبزی

تم پڑھ چکے ہو کہ ۵۰۰ قبل مسیح سے ۶۰۰ء تک اگرچہ پنجاب کے وہ راجہ جو مہاراج ادھیراج کہلاتے تھے۔ بُدھ مت کے پیرو تھے۔ لیکن ساتھ ہی اُن کے دل میں ہندو مذہب سے پرخاش کم ہوتی جاتی تھی۔ اور ہر شخص اپنے مذہب میں خود مختار ہو گیا تھا۔ اب ہندوؤں میں راجپوت راجہ بڑی بڑی ریاستیں قائم کر رہے تھے۔ اور ہندو عالموں نے ویدوں کی اِمداد کے لئے پرانوں کا سلسلہ تصنیف کر کے ہندو مذہب کو ترقی دینی شروع کر دی تھی۔ اس لئے ہندو بڑھنے اور بُدھ گھٹنے شروع ہو گئے۔ اُجین کے راجہ بکرماجیت نے ہندو دھرم کی خدمت میں بڑے بڑے کام کئے۔ جس کا نام ہندوؤں میں

خاص عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے +
غالباً اسی زمانے میں راجہ سل کی نسل میں سے راجہ سالباہن نے اپنے نام پر قلعہ سیالکوٹ بنوایا تھا۔ جس نے اپنے بیٹے پورن بھگت کو اس کی سوتیلی ماں کے الزام لگانے سے ایک کنوئیں میں قید کر دیا تھا +
اس زمانے میں پنجاب کی سب سے بڑی ریاست سیالکوٹ مانی جاتی تھی۔ ملک میں جا بجا ہندو راجاؤں نے کئی نئے شہر بھی بسائے تھے۔ مثلاً اُسی زمانے میں راول ناتھ جوگی کے نام سے راولپنڈی منسوب ہؤا۔ اور نگر کوٹ کی بھی جبھی بُنیاد رکھی گئی۔ جو اب کانگڑہ کے نام سے مشہور ہے +
ان دنوں بھیرہ کی ریاست پر راجہ جودھ بھان حکمران تھا۔ اس کے زمانے میں ساندل ڈاکو اُسی کے متصل ایک جنگل میں رہا کرتا تھا۔ جو آج کل ضلع لائل پور میں واقع ہے۔ کہتے ہیں۔ اُس ڈاکو نے اپنا ایک جتھا بنا لیا تھا۔ اور بے دھڑک اکیلے دُکیلے مسافروں کو قتل کر کے ان کا مال مار لیا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ جنگل اُسی کے نام سے "ساندل بار" مشہور ہو گیا تھا۔ مگر جب راجہ جودھ بھان کو اطلاع ہوئی۔ تو

اس نے خود جا کر اس کو قتل کر دیا +

نویں صدی عیسوی میں ریاست لاہور پر خاندان پال حکمران ہوُا۔ تو اس نے اپنی طاقت سے ریاست لاہور کو پھر پنجاب کی سب سے بڑی ریاست بنا لیا +

پنجاب میں اسلام کا ظہور

پنجاب کے شمال میں اسلام کا داخلہ چھٹی صدی عیسوی میں جب ساری دُنیا میں بُت پرستی کے ساتھ امیروں بادشاہوں کی پُوجا اور غریبوں کی خرابی کا طوفان آ رہا تھا۔ ریگستان عرب میں اسلام ظاہر ہوُا۔ اور اپنے سادہ مسائل کے باعث بہت جلد دُور دُور تک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی میں افغانستان اور بلوچستان کے باشندے مسلمان ہو گئے۔ جس زمانے میں بُدھ مت کا زوال اور ہندو مذہب دوبارہ عروج حاصل کر رہا تھا۔ دریائے سندھ کے پار کی اقوام نے بھی خود بخود اسلام قبول کر لیا۔ جو آج کل آفریدی ۔ مہمندی ۔ وزیری وغیرہ کہلاتی ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ تھوڑی مدّت میں ان نَو مسلم قوموں نے خاندان چیپکا کے ساتھ

(جو اُس وقت پنجاب کا حکمران تھا) ستّر لڑائیاں کیں - جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ وُہ ہندو یا بُدھ حکومت سے آزاد ہو گئیں - اور اب تک بدستور آزاد چلی آتی ہیں ٭

سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ نویں صدی عیسوی کی ابتدا میں سندھ کے راجہ داہر نے مسلمان حاجیوں کا ایک جہاز غرق کرا دیا تھا - جس پر مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی سرداری میں بلوچستان سے بڑھ کر سندھ پر حملہ کر دیا - اور راجہ کو شکست دے کر اسلامی حکومت قائم کر لی - اس نئی اسلامی حکومت کے پاس بہت سی ہندو ریاستیں موجود تھیں - لیکن خلیفہ اسلام اپنے جھمیلوں میں سندھ میں آئے ہوئے مسلمانوں کی کوئی امداد نہ کر سکا - اس لئے جو سردار اِدھر آ چکے تھے - وہ آگے بڑھنے کی بجائے اُنہیں مفتوحہ علاقوں میں اپنی اپنی ریاستیں بنا کر بیٹھ گئے - چنانچہ نویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی دو بڑی اسلامی ریاستیں منصورہ اور ملتان تھیں - ان ریاستوں کے حکمران یہاں کے باشندوں سے مل جُل گئے تھے - ہندو یا بُدھ رعایا اپنے مذہب کے مطابق بالکل آزاد تھی - ان کے مقدمات کا تصفیہ بھی

اُنہیں کے مذہبی قانون کے موافق ہؤا کرتا تھا۔ اور ہمسایہ ہندو ریاستوں کے ساتھ بھی اُن کے تعلقات دوستانہ تھے +

خاندان پال سے مسلمانوں کی لڑائیاں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دسویں صدی میں ریاست لاہور پر خاندان پال حکمران تھا۔ جسے بعض مؤرخوں نے برہمن اور بعض نے راجپوت لکھا ہے۔ لیکن یقین کیا جاتا ہے کہ وہ چوہان راجپوتوں کی نسل سے تھا۔ اس کی سلطنت ملتان سے پشاور کے پرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس مُلک کے کئی چھوٹے چھوٹے راجہ اسی کے باجگزار اور ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ اسی زمانے میں جب امیر ناصر الدین سبکتگین بلخ و بخارا کی فتوحات میں مشغول تھا۔ اس کی فوج کا ایک دستہ کوہستانِ پشاور کے پاس سے ہو کر گزرا۔ تو راجہ جے پال والیِ لاہور کو سخت ناگوار ہؤا۔ اور اس نے پیش بندی کے خیال سے اچانک امیر کے اس فوجی دستے پر ایسا زبردست حملہ کر دیا۔ کہ امیر کے بہت ہی کم سپاہی جیتے بچ سکے۔ غالباً جے پال کا مدعا تو یہ ہوگا کہ امیر پر اس کا رُعب بیٹھ جائے۔ مگر نتیجہ اُلٹا نکلا۔

یعنی اس ناگہانی حادثے کی خبر سُن کر سبکتگین نے فوراً ۹۸۰ء میں پنجاب پر حملہ کر دیا۔ راجہ تو پہلے ہی سے تیار ہو رہا تھا۔ اُس نے بڑی بہادری سے خود آگے بڑھ کر حملہ آوروں سے لڑائی کا ڈھنگ ڈال دیا۔ اور قلعہ ویہنند پر (جو اٹک سے ۱۵ میل شمال کی طرف واقع تھا) دونوں لشکر جمع ہو گئے۔ ایشیا میں اندرونی جذبات بھڑکانے میں جو بے نظیر قوت مذہب کو حاصل ہے۔ وہ کسی دوسری قوت کو ہرگز میسّر نہیں۔ اس لئے دونوں نے اس لڑائی کو مذہبی رنگ دے کر اپنے اپنے ساتھیوں کو دوسرے فریق کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ راجہ نے اپنے لشکر کو سمجھایا۔ کہ ملیچھ (ناپاک) مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا ہی دھرم کی خدمت ہے۔ اور امیر نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ بُت پرستوں کو مارنا اور بُتوں کو توڑنا ہی خُدا کی رضا مندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ پس دونوں جانب سے زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تھا۔ کہ اسی اثنا میں موسم سرد ہو کر برف گرنے لگی۔ امیر کے ساتھی تو سردی کے پُورے عادی تھے۔ بے ہراس ڈٹے رہے۔ مگر راجہ کی

سپاہ نے یہ مصیبت پہلے نہ دیکھی تھی۔ وہ سردی سے ٹھٹھرنے لگی۔ پس ناچار راجہ نے بیدل ہو کر امیر کے پاس صُلح کا پیغام بھیجا۔ سبکتگین تو نرم دل آدمی تھا۔ راضی ہو جاتا۔ مگر اُس کے بیٹے محمود نے کہا "قبلۂ عالم! اب صُلح کا کیا موقع ہے۔ دشمن کے اَوسان خطا ہو چکے۔ تھوڑے عرصے میں فتح ہُوا چاہتی ہے؟" راجہ نے یہ خشک جواب پا کر پھر کہلا بھیجا کہ "اگر آپ ہمارے ساز و سامان اور زر و جواہر پر نظر رکھتے ہوں۔ تو اس خیالِ خام کو دماغ سے نکال ڈالئے۔ راجپوتوں کا یہ پُرانا قاعدہ[۱] ہے کہ جب خلاصی کی کوئی راہ نہیں دیکھتے۔ تو ہاتھی گھوڑوں کو اندھا کر کے چھوڑ دیتے۔ زر و جواہر کو توڑ پھوڑ کر چُورا کر ڈالتے اور بال بچّوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے ہیں۔ مان جاؤ۔ تو احسان ہے۔ ورنہ یاد رہے کہ مال و متاع کی جگہ صرف راکھ کا ڈھیر پاؤگے"۔ محمود تو اس پیغام پر راضی نہ تھا۔ مگر رحم دل باپ نے سمجھایا کہ "بیٹا! جب دشمن آن مان جائے۔ تو زیادہ تنگ کرنا جوانمردی میں داخل نہیں"۔ پس اس شرط پر

[۱] اس رسم کو جوہر کہتے ہیں +

صلح ہو گئی کہ راجہ جے پال کچھ روپیہ اور کچھ ہاتھی گھوڑے تاوانِ جنگ کے طور پر امیر کی نذر کرے۔ اور امیر اپنی فوج یہیں سے واپس لے جائے۔ راجہ نے کہا "یہ شرطیں تو منظور ہیں۔ مگر کُل مطلوبہ سامان یہاں موجود نہیں۔ اس لئے آپ بخیریت واپس تشریف لے جائیے۔ میں آپ کے چند معتبر آدمی ساتھ لے جاتا ہوں۔ جنہیں جا کر سب چیزیں سپُرد کر دی جائینگی" اس پر صاف دل امیر اپنے معتبر آدمی راجہ کے ساتھ کر کے غزنی روانہ ہو گیا۔ مگر راجہ نے لاہور پہنچ کر روپے اور ہاتھی گھوڑے دینے کی بجائے امیر کے ان معتبر آدمیوں کا نقدِ جان ہی چھین لیا۔ یعنی انہیں قتل کر کے اپنے قول و قرار سے بالکل منحرف ہو گیا +

سبکتگین کا دوسرا حملہ اور پشاور میں اس کے گورنر کا تقرر

جب جے پال کی اس بد عہدی کی اطلاع سبکتگین کو ہوئی۔ تو اُس نے سخت غصے میں بھر کر پنجاب کی طرف کُوچ بول دیا۔ جے پال پہلے سے جانتا تھا کہ اس حرکت کا نتیجہ سوا لڑائی کے کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس نے اپنے ذہن میں موسمی خرابی سے بچنے اور نئے سرے سے پُوری تیاری کرنے ہی کے لئے صُلح کی چال اختیار کی

تھی۔ اس لئے اب کے اُس نے نہ صرف راجگانِ پنجاب بلکہ گوالیار۔ قنوج اور کالنجر تک کے راجاؤں کو لکھ بھیجا کہ "بھائیو! اب تک پنجاب ہی اِس زبردست دشمن کی روک تھام کرتا رہا ہے۔ یاد رکھو۔ اگر یہ چپّہ بھر بھی ادھر بڑھ آیا۔ تو پنجاب ہی نہیں۔ سارے ہندوستان پر پانی پھیر دیگا۔ اس لئے سب بھائیوں کو مل کر کام کرنا چاہئے۔ تاکہ دشمن پھر خواب میں بھی اِدھر کا رُخ نہ کر سکے"۔

چنانچہ اس آواز پر سب راجاؤں کے لشکر جے پال کی امداد کو جمع ہو گئے۔ اور اس نے اپنی ذاتی سپاہ اور امدادی رئیسوں کی فوجوں سمیت پورے جوش و خروش کے ساتھ بڑھ کر اٹک کے پار میدانِ نعمان میں جا خیمہ لگایا۔ اب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل پڑے تھے۔ امیر نے راجہ کے لشکر اور ساز و سامان کی کثرت دیکھی۔ تو حیران رہ گیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو جہادؔ کا اجر و ثواب بتا کر ان میں ایک نئی رُوح پھُونک دی۔ اور یہ بھی تدبیر بتا دی کہ کُل فوج ایک ہی

ؔ اصطلاح میں صرف اس جنگ کا نام ہے۔ جو خالص دین کی خاطر کی جائے۔

بار دشمن کے مقابل نہ ہو۔ بلکہ کچھ حصّہ اس غرض سے پوشیدہ بھی رہے کہ جب پہلا لشکر کسی قدر تھکنے لگے۔ تو باقی لشکر کا تھوڑا تھوڑا حصّہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد امداد کو پہنچتا رہے۔ جنگ شروع ہوئی۔ تو جے پال کی فوج نے اپنی امدادی فوجوں سمیت مردانگی کی داد دی۔ مگر آخر یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کو پے بہ پے امداد پہنچ رہی ہے۔ اس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور امیر کی فوج نے حوصلہ پاکر اس قدر قدم بڑھائے کہ جے پال کی بھاگتی ہوئی فوج کا اٹک تک پیچھا کرکے کامل فتح پائی۔ جس کے بعد اٹک کے پار تک کے علاقے پر امیر نے قبضہ کرکے آئندہ کے لئے دس ہزار سوار اور ایک گورنر پشاور میں مقرر کر دیا۔ اور راجہ کی فوج کے پندرہ سرداروں کو بطور یرغمال[1] ساتھ لے کر کُل راجائی ساز و سامان سمیت غزنی کی راہ اختیار کی +

پنجاب پر سلطان محمود کے حملے

سبکتگین کے بعد اُس کا جواں بخت بیٹا محمود تیس برس کی عُمر میں غزنی

---

[1] تُرکی زبان میں جو لوگ بطور ضامن بادشاہوں کے پاس رہتے ہیں۔ انہیں یرغمال کہتے ہیں +

کے تخت پر بیٹھا۔ تو اُس نے ۱۰۰۱ء میں دس
ہزار سوار لے کر پھر پنجاب کا رُخ کر دیا۔ جس
کے مقابلے کی ادھر سے جے پال نے پہلے
سے بھی زیادہ زور شور سے تیاری کی۔ اور
دُور دُور سے اپنے مُعاون اور زبردست سردار جمع
کر کے بارہ ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں کے
ساتھ محمود کو کچل ڈالنے کے ارادے سے پشاور
کے قریب قلعہ ویہند کے متصل جا کر معرکۂ کارزار
گرم کر دیا۔ مگر اس لڑائی میں بھی شمشیرِ افغانی
کے سامنے تیغِ ہندی کچھ کاٹ نہ کر سکی۔ اور
محمود نے فتحیاب ہو کر قلعۂ ویہند کو مسمار اور
جے پال کو گرفتار کر لیا۔ آخر راجہ نے سُلطان
کی اطاعت قبول کر لی۔ اور سالانہ خراج بھیجنے
کے وعدے پر خلاصی پائی۔ مگر جب اس ناکامی
اور مایوسی کے بعد وہ لاہور پہنچا۔ تو مارے
شرم و غیرت کے راج پاٹ اپنے بیٹے انند پال
کو سونپ دیا۔ اور خود جلتی آگ میں بیٹھ کر خاک
کا ڈھیر ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت کی رسموں کے
مطابق جو راجہ دشمن سے دو دفعہ شکست کھا
کر قید ہو جائے۔ وہ راج کے قابل نہ سمجھا
جاتا تھا +

انند پال لاہور کی گدّی پر تو بیٹھ گیا۔ مگر اس نے بھی وعدہ پُورا نہ کیا۔ اس لئے ۱۰۰۸ء میں محمود نے ایک عرب سردار عبداللہ کی زیر کمان ایک لاکھ افغانی۔ ترکی اور چنگیزی سوار لے کر پھر پنجاب پر چڑھائی کر دی۔ انند پال جو پہلے ہی سے سلطان کی اطاعت کو ناگوار بلکہ ننگ و عار سمجھتا تھا۔ اس موقع پر ایک بڑی لڑائی کے لیے پھر تیار ہو گیا۔ اور پنجاب و ہندوستان کے اکثر راجاؤں مہاراجاؤں اور سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر تمام ملک میں خاص اُپدیشوں اور پیغاموں کے ذریعے سے اس لڑائی کو مذہبی جنگ قرار دے کر اتنا جوش پیدا کیا کہ بقول الفنسٹن صاحب مؤرّخ کے اگر ہندو مرد لڑائی کے لئے سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے۔ تو ہندو عورتیں بھی جنگی اخراجات کے لئے اپنے سونے چاندی کے زیورات اُتار کر بالکل خالی ہو بیٹھی تھیں۔ اور اس طرح انند پال کے پاس ایک جانباز سپاہ کے ساتھ بے شمار دولت بھی جمع ہو چکی تھی۔ چنانچہ پنجابیوں کی پُر جوش فوج دہلی۔ گوالیار۔ کالنجر اور کشمیر کے راجاؤں اور فوجوں کو ہمراہ لے کر محمود کے ساتھ ایک فیصلہ کرنے والی لڑائی کے لئے اٹک سے پار جا اُتری۔ محمود

اگرچہ وافر سپاہ کے ساتھ آیا تھا۔ مگر پھر بھی اُسے اتنے دھوم دھڑکے کی امّید نہ تھی۔ اس لئے اس نے بھی باپ کی طرح وعظوں اور ولولہ انگیز تقریروں سے بے انتہا جوش پیدا کر کے ہر سپاہی کو اس امر کا یقین دلایا کہ "غازی بہادرو! موت سر پر آ پہنچی ہے۔ اب تمہیں اور کوئی تدبیر مرنے سے نہیں بچا سکتی۔ پس نامردوں کی طرح پیٹھ پر زخم نہ کھاؤ۔ بلکہ بہادروں کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ۔" کہتے ہیں کہ چالیس روز تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ مسلمان جو ہمیشہ جنگ کی ابتدا کیا کرتے تھے۔ اب کے وہ بھی پہل کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ کیونکہ ہندو فوج کے مقابل اُن کی تعداد بہت کم تھی۔ لیکن آخرکار راجہ کے مددگاروں میں سب سے پہلے کھوکھر قوم کی ایک منچلی جماعت نے سلطانی لشکر پر حملہ کیا۔ اور پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ اس سخت لڑائی میں انند پال خود ایک ہاتھی پر بیٹھا ہوا فوج کی کمان کر رہا تھا۔ تو اُدھر محمود بھی گھوڑے پر سوار اِدھر سے اُدھر کاوے لگا کر لڑنے والوں کے دل بڑھاتا جاتا تھا۔ جس سے فریقین اس بے جگری کے ساتھ جان توڑ کر لڑ رہے تھے کہ کسی کی فتح و شکست کا حکم نہ لگایا جا سکتا تھا۔

چنانچہ اسی جوش و خروش میں انند پال کی فوج کے ایک متفقہ حملے نے پانچ ہزار سلطانی سپاہی قتل کر ڈالے۔ جس سے دونوں طرف سخت جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور سلطانی لشکر نے بھی تلواریں کھینچ کر دشمن تک پہنچنے کی قسمیں کھا لیں۔ ان کے اس پہلے ہی حملے میں انند پال کا ہاتھی کچھ ایسا بھڑکا کہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ جسے دیکھ کر سلطانی فوج کے دل بڑھ گئے۔ اور راجہ کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پنجابی فوج کے بھاگنے سے سلطانی لشکر نے اور بھی دلیر ہو کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ دولت کے وہ تمام خزانے جو انند پال نے اخراجاتِ جنگ کے لئے جمع کر رکھے تھے۔ لشکرِ سلطانی کے ہاتھ آ گئے۔ اور راجہ نے اطاعت کا وعدہ کر لیا۔ جان بچی۔ لاکھوں پائے +

کانگڑے کے مندر پر یورش انند پال سے نپٹ کر محمود کی فوج پنجاب میں داخل ہوئی۔ اور نگر کوٹ (کانگڑہ) کے مندر پر دھاوا بول دیا۔ پجاریوں اور پہاڑیوں میں مقابلے کی طاقت کہاں تھی؟ سب نے اطاعت اختیار کی۔ اور محمود مظفّر و منصور واپس ہؤا +

اس سفر میں بھیرہ کے راجہ نے بھی حاضر ہو کر

اپنی ریاست کو سلطان کے زیر سایہ تسلیم کرکے سالانہ خراج دینا قبول کر لیا ⁜

راجۂ بھیرہ پر محمود کا حملہ

بھیرہ کے راجہ نے محمود سے سالانہ خراج بھیجنے کا جو اقرار کیا تھا۔ وہ وقت نکل جانے پر بھول گیا۔ تو آخرکار دو سال بعد ۱۰۰۴ء میں محمود نے بھیرہ پر بھی حملہ کر دیا۔ مگر دانا راجہ نے محمود کے آتے ہی قسموں سوگندوں سے عہد و پیمان کرکے رقم محمود کے حوالے کر دی۔ اور سلطان نے اس کی بحالی کے بعد وطن کی راہ لی ⁜

انند پال والی لاہور اور ابوالفتح ملتانی پر حملے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سندھ اور ملتان پر مدتوں سے مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ سبکتگین کے وقت حمید لودھی جو ملتان کا حکمران تھا۔ اس نے ریاستِ مُلتان کو غزنی کے زیر سایہ تسلیم کر لیا تھا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا بھی اسی طرح زبانی اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ لیکن ان دونوں کے مرنے پر جب حمید کا پوتا ابُوالفتح ملتان کی گدّی پر بیٹھا۔ تو اس نے ہمسایہ حکمران انند پال کی طرح محمود کی اطاعت کو پسند نہ کیا۔ اور دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کرکے ایک بڑی جنگ کی تیاری کا انتظام کر لیا۔ سلطان کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے انند پال کے نام

فرمان بھیجا کہ "لشکر سلطانی تمہاری ریاست میں سے ہو کر ابوالفتح ملتانی کی سزا دہی کو جاتا ہے۔ عہدنامے کی شرائط کے مطابق تمہیں لشکر کی رسد رسانی کا انتظام کرنا چاہئے"۔ لیکن راجہ تو ابوالفتح سے مل چکا تھا۔ اس نے اِس حکم کو فضول سمجھ کر کھُلم کھلا ابوالفتح کا ساتھ دے دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ پہلی ہی جھڑپ میں انند پال کو مغلوب ہو کر کشمیر کی طرف بھاگنا پڑا۔ اور محمود نے اس کے بیٹے جے پال ثانی کو ریاستِ لاہور کا جانشین منظور کر کے ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اُدھر تو اتفاق سے انہیں دنوں سلطان کو اپنے خاص ملک موروثی سے بغاوت پھوٹنے کی خبریں آنے لگیں۔ ادھر محاصرے کے ساتویں روز ابوالفتح کی طرف سے بھی اظہارِ اطاعت اور بیس ہزار اشرفی سالانہ نذرانے کا پیام آ گیا۔ جسے غنیمت سمجھ کر سلطان نے فوراً واپسی کی ٹھہرا دی۔ لیکن دو سال بعد جب ابوالفتح کی طرف سے پھر بدعہدی عمل میں آئی۔ تو محمود نے اُسے قید کر کے ملتان پر پورا قبضہ کر لیا ؂

پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ اور افغان بادشاہوں کا زمانہ

جے پال ثانی سے لڑائی اور محمود کی فتح یابی

محمود نے پنجاب پر حملے تو بہت کیئے۔ مگر ہمیشہ آندھی کی طرح آتا۔ اور بگولے کی طرح نکل جاتا رہا۔ آخر جب انند پال کے بعد اس کا بیٹا جے پال ثانی جانشین ہوا۔ اور اس نے بھی ادائے خراج میں خاندانی ٹال مٹول سے کام لیا۔ تو محمود نے ۱۰۲۲ء میں پنجاب پر قبضہ کا ارادہ کر لیا۔ جے پال نے روک تھام تو بہت کی۔ مگر محمود بڑھتا چلا آیا۔ اور خاص لاہور پر اس زور کی لڑائی ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ جے پال کو مع بہت سی فوج اور شہری باشندوں کے بھاگنا پڑا۔ محمود کی فتح تو ہوئی۔ مگر رعایا کہاں تھی؟ شہر لوٹا ہوا۔ اور ہر طرف لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ غرض سلطان نے اپنے وفادار غلام ایاز کو پنجاب کا گورنر مقرر کرکے نئے سر سے شہر بسانے کا حکم دیا۔ جس نے لاہور کو صاف اور از سر نو آباد کرکے اس میں اپنے ہمراہیوں کے لئے محلے اور سڑکیں بنوائیں ✣

حضرت مخدوم علیؒ ہجویری جو بعد ازاں داتا گنج بخش کہلائے۔ لشکر سلطانی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لا کر اس مقام پر بیٹھ گئے۔ جہاں اب آپ کا مزار و گنبد موجود ہے۔ وہاں آپ نے ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ جس کی بہت دفعہ ترمیم و تجدید ہو چکی ہے۔ گنبد کے شمال مغربی جانب جو ایک چھوٹا سا حوض کبوتروں کے پانی پینے کا موجود ہے۔ عموماً آپ وہیں بیٹھا کرتے تھے ؎

ایاز کی بابت لکھا ہے کہ ایک کشمیری شہزادہ تھا۔ جو کسی وقت شکار میں ساتھیوں سے الگ ہونے پر ڈاکوؤں کے ہاتھ پڑا۔ اور بکتے بکتے محمود تک جا پہنچا۔ پھر اُسے اپنی خیر خواہی اور خدمت گزاری سے اتنا خوش کیا کہ گویا سلطان اس کا عاشق تھا ؎

اس کے متعلق یہ حکایت سننے کے قابل ہے کہ ایک دفعہ سلطان کہیں سیر و شکار کے لئے جا رہا تھا۔ راستے میں کسی تنگ گھاٹی سے ٹکرا کر جواہرات کے دو صندوق ٹوٹ گئے۔ جو ایک اونٹ پر لدے ہوئے تھے۔ سلطان نے غالباً جگہ کی دشواری کے باعث ہمراہیوں کو ان موتیوں کے لوٹ لینے کا حکم دیا۔ تو سارے غلام و مصاحب سلطان کو چھوڑ کر موتیوں پر جھپٹ پڑے۔ لیکن ایاز نے بالکل جنبش نہ کی۔ اس پر

سلطان نے فرمایا" ایاز! موتیوں کی لوٹ میں تم کیوں نہیں گئے؟" ایاز نے عرض کی" صرف اس لئے کہ حضور کی خدمت میں رہنا موتیوں سے زیادہ قیمتی ہے" اس جواب نے سلطان کو اور بھی مہربان کر دیا۔ اور دوسرے غلام مارے حسد کے پیچ و تاب کھانے لگے۔ مگر آخر بڑی جستجو کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ایاز کے پاس ایک صندوقچہ ہے۔ جسے نہ تو وہ کسی کے رُوبرُو کھولتا ہے۔ نہ کسی کے حوالے کرتا ہے۔ بلکہ دن رات اُس کی زنجیر اُس کے پلنگ کے پائے سے بندھی رہتی ہے۔ ہو نہ ہو۔ اس میں بڑے بڑے نایاب جواہرات ہونگے۔ جنہیں وہ کسی کو دکھانا بھی روا نہیں رکھتا۔ چنانچہ یہ پُختت و پز کرکے اُنہوں نے بادشاہ سے چُغلی کھائی۔ سلطان نے ایاز سے پوچھا۔ تو اس نے صندوقچہ دربار میں منگایا۔ مگر جب سب کے سامنے کھول دیا گیا۔ تو اس میں سوا ایک پھٹی پُرانی گُدڑی کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ حاسد تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ مگر بادشاہ نے پوچھا" ایاز! اِس گُدڑی کی اتنی حفاظت اور روزانہ زیارت کی بھی تو کوئی وجہ بتاؤ" ایاز نے عرض کی" جہاں پناہ! یہ وہی گُدڑی ہے۔ جو حضور سلطانی میں پہنچنے سے پہلے میری پوشاک ہوُا کرتی تھی۔ پس میں ہر روز یہ اپنے

نفس کو دکھا دیتا ہوں کہ اپنی اوقات نہ بھول جائے"۔

محمود کے جانشین

محمود کے بعد اس کے آٹھ جانشین ہوئے۔ جن میں سے ۱۰۳۲ء میں اس کے بیٹے مسعود نے پنجاب میں ہانسی اور سونی پت پر قبضہ کیا۔ پھر ۱۰۷۹ء میں اس کے چوتھے جانشین ابراہیم نے روپال اور اجودھن کے قلعے فتح کئے۔ اجودھن وہی مقام ہے۔ جسے اب پاک[1] پٹن کہتے ہیں۔ باوا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ اُسی زمانے میں ہوئے ہیں۔ اور آپ نے اس مقام پر قیام[2] فرما کر اتنی کرامتیں دکھائیں۔ اور اپنی پاک زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا۔ کہ تقریباً تمام علاقہ مسلمان ہو گیا۔

محمود کا ساتواں جانشین خسرو شاہ ہوا ہے۔

---

[1] اس زمانے میں دریائے راوی اس ٹیلے کے قریب تھا۔ جہاں اب شہر پاک پٹن آباد ہے۔ پٹن پنجابی میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔ یعنی پاک گھاٹ یا پاک لوگوں کا گھاٹ۔ لوگوں نے اجودھن کی جگہ اس کا یہ نام باوا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی کی وجہ سے قرار دے دیا تھا۔

[2] جس حجرے (کوٹھڑی) میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ بعد وفات اسی میں دفن ہوئے۔ اور اب تک محرم کی پانچویں سے ساتویں تک وہاں اتنا بڑا عُرس ہوتا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی اس میں شامل ہوتے ہیں۔

جس نے سلطان شہاب الدین محمد غوری کے ہاتھوں شکست کھا کر غزنی کی جگہ پنجاب کی حکومت اور لاہور کی اقامت اختیار کی۔ مگر یہاں بھی اس پر ۱۱۷۸ء میں شہاب الدین نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اور سیالکوٹ پر قبضہ کرکے پہلے اس کے بیٹے کو بطور ضمانت اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر ۱۱۸۶ء میں دوسرا حملہ کرکے خاص لاہور پر بھی قبضہ کر لیا ÷

خاندان غور سلطان شہاب الدین نے جو اس سے دو سال پہلے سیالکوٹ پر تسلط جما چکا تھا۔ اب لاہور پر قبضہ پاتے ہی قلعۂ سرہند کو فتح کیا۔ جو اس وقت پنجاب کی سرحد تھی۔ اس کے بعد تمام علاقۂ پنجاب پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اور اس نے ملتان کے حاکم علی کرماج کو اس تمام ملک کا گورنر (صوبہ دار) مقرر کرنے کے بعد غور کی راہ لی۔ مگر ۱۱۹۱ء میں پھر راجہ پرتھی راج والی دہلی پر حملہ کرنے کو پنجاب آیا۔ چونکہ رانا بھی زبردست اور بہادر شخص تھا۔ اس لئے اس نے بھی دندان شکن جواب دینا چاہا۔ بنا بریں ضلع کرنال کے موضع تراوڑی میں افغانی و راجپوتی فوجیں لڑائی کے پورے ساز و سامان کے ساتھ آ موجود ہوئیں۔ اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ پرتھی راج کے بہادر سپہ سالار گوبند رائے نے

خاص سلطان کی ذات پر حملہ کرکے اس کا بازو زخمی کر دیا۔ اِدھر سے سلطان نے بھی جوابی حملے میں گوبند رائے کے منہ پر بھالے کی وہ ضرب لگائی کہ اس کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مگر پھر بھی لشکرِ سلطانی کو شکست ہو گئی۔ اور وہ صرف پنجاب پر اپنے لائق غلام قطب الدین ایبک کو لاہور کا صوبیدار بنا کر خود غور چلا گیا۔

سلطان کو اس شکست کا اتنا رنج ہوا کہ دو برس تک نہ تو غسل کیا۔ نہ کپڑے بدلے۔ نہ سر میں کنگھی کی۔ نہ بالوں میں تیل ہی ڈالا۔ بلکہ جن فوجی سرداروں کی غفلت سے شکست ہوئی تھی۔ اُنہیں جَو کے توبڑے چڑھا کر سخت ذلیل کیا۔ آخر ایک لاکھ بیس ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کی تازہ دم فوج لے کر ۱۱۹۳ء میں وہ پھر پنجاب آیا۔ اِدھر سے راجپوتی فوج بھی پہلے کی نسبت زیادہ تیار تھی۔ تھانیسر کے پاس بڑی بھاری لڑائی ہوئی۔ اور دونوں طرف کی پوری تیاریوں میں وہ گھمسان کا رن پڑا کہ فتح و شکست پر حکم نہ لگ سکتا تھا۔ مگر تھوڑے عرصے میں راجپوتی فوج کے بہادر سپہ سالار گوبند رائے کے قتل ہوتے ہی پانسہ پلٹ گیا۔ پٹھان فتحمندی کے جوش میں ایک سے بیس ہو گئے۔ اور راجپوتی

فوج لائق سردار کے قتل ہو جانے سے دل برداشتہ ہو گئی۔ بدقسمت پرتھی راج اس حالت میں ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوُا کہ بیدل بھاگتے ہوؤں کو پھر جمع کرنے کی کوشش کرے۔ مگر اس کوشش میں خود مارا گیا۔ اور فتح مند شہاب الدین غوری نے پنجاب کے ساتھ دہلی پر قبضہ کر کے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو تمام مفتوحہ علاقوں کا گورنر بنا کر وطن کی راہ لی۔ سلطان کے بعد قطب الدین ایبک نے یہاں اس دانائی اور لیاقت سے انتظام کیا کہ تیرہ سال تک بادشاہ کو پنجاب آنے کی ضرورت نہ پڑی۔ مگر جب ۱۲۰۵ء میں بعض خود غرضوں نے غلط طور پر سلطان کی خبرِ موت مشہور کر دی۔ تو اُسے ضرور آنا پڑا۔ کیونکہ اس خبر کے سُنتے ہی ایک غلام سلطانی نے ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور خاص پنجاب میں بھی کھوکھر قوم نے اس خبر کی شہ پاکر ہلچل مچا رکھی تھی۔ غرض ۱۲۰۶ء میں سلطان پنجاب کے ڈاکوؤں کو سزا دے کر واپس جا رہا تھا کہ چند دلیر لوگوں نے دریائے اٹک کے کنارے سلطانی خیمے میں داخل ہو کر بادشاہ کو سوتے میں قتل کر دیا۔ قاتل گرفتار نہ ہوئے کہ ان کی اصلیت کھل جاتی۔ مگر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ گکھڑوں یا

کھوکھروں کا فعل تھا ٭

شہاب الدین غوری کی بڑی دانائی یہ تھی کہ اس نے قطب الدین ایبک جیسے دانا شخص کو پنجاب و ہندوستان کی حکومت پر مقرر کیا تھا۔ جس نے یہاں کے ہندو رئیسوں اور عام رعایا کی تالیفِ قلوب کو کبھی فراموش نہ کیا۔ اور نہ صرف سکے (روپے پیسے) پر فارسی حروف کے ساتھ شاستری لکھوانے سے ان کی دلجوئی کی۔ بلکہ اکثر ہندوؤں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے بھی دئے ٭

خاندانِ غلاماں شہاب الدین غوری کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ کہ اس کا جانشین ہوتا۔ بیٹیاں تھیں۔ جو اُس نے اپنے وفادار غلاموں کے ساتھ بیاہ رکھی تھیں۔ پنجاب و ہندوستان پر قطب الدین ایبک حکمرانی کر رہا تھا۔ ملتان و سندھ پر اُس کے داماد ناصر الدین قباچہ کی حکومت تھی۔ اس لئے شہاب الدین کے مرنے کے بعد یہی لوگ پنجاب و ہندوستان کے مستقل فرمانروا ہو گئے۔ البتہ ۱۲۰۶ء میں ایک دفعہ شہاب الدین غوری کے دوسرے داماد تاج الدین یلدوز نے غزنی سے آکر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ مگر قطب الدین ایبک نے دہلی سے لاہور آکر اُسے شکست دے کر نکال دیا ٭

قطب الدین ایبک نہایت فیاض اور صلح کُل حکمران گزرا ہے۔ وہ اتنا فیاض تھا کہ لوگ اُسے "لکھ داتا" کہا کرتے تھے۔ سلطنت بھی بڑی ہو گئی تھی۔ جس میں وہ دہلی اور لاہور دونوں کو دارالخلافے کی حیثیت سے رکھتا تھا۔ ۱۲۱۰ء میں لاہور ہی میں چوگان بازی کرتے ہوئے اس کا انتقال ہُوا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہُوا۔ مگر کام نہ چل سکا۔ ناصرالدین قباچہ ملتان و سندھ میں خود مختار ہو گیا۔ لاہور پر تاج الدین یلدوز نے پھر آ کر قبضہ کر لیا۔ آخر سب اُمرا نے شمس الدین التمش کو تخت پر بٹھا دیا +

شمس الدین التمش یہ قطب الدین ایبک کا غلام اور بدایوں کا حاکم تھا۔ قطب الدین کی وفات پر جب ہر حاکم نے خود سری اختیار کی۔ تو التمش نے بھی دہلی کا تخت سنبھال لیا۔ اور ۱۲۱۱ء میں لاہور پہنچ کر یہاں سے تاج الدین یلدوز کو نکالنے کے بعد اپنے بیٹے رُکن الدین کو پنجاب کا گورنر مقرر کر کے قلعہ ہانسی پر سیف الدین کوچی کو متعین کیا۔ پھر ۱۲۲۵ء میں ناصرالدین قباچہ کو شکست دے کر اعزالدین کبیر خانی کو ملتان و سندھ کی حکومت پر مقرر کیا +

التمش پر اس کے ہم رُتبہ سرداروں اور رشتہ داروں نے بعض مؤرخوں کے قول کے مطابق ستر حملے کئے۔ مگر سب کا انجام التمش کی فتح پر ہوتا رہا۔ اس کے مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ چنگیز خاں تاتار سے آندھی کی طرح اُٹھ کر تمام ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو تاخت و تاراج کرتا ہؤا دریائے سندھ کے پار تک آ گیا۔ لیکن اس کے دبدبے نے اُسے پنجاب و ہند پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ دیا۔ اس انصاف پسند اور منتظم بادشاہ نے پچیس برس کی پُر زور سلطنت کے بعد ۱۲۳۶ء میں وفات پائی۔ پھر اس کا بیٹا رُکن الدّین تخت پر بیٹھا۔ مگر اس کو نالائق سمجھ کر اُمرائے دربار نے بغاوت اختیار کی۔ اور رضیہ بیگم (التمش کی بیٹی) کو تخت پر بٹھا دیا +

رضیہ بیگم یہ اگرچہ دہلی کے تخت پر تمام اسلامی ہندوستان پر حکمران تھی۔ مگر اس کے بہت سے واقعات پنجاب میں ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ بے پردہ بات کر لیتی تھی۔ اس لئے لوگ اسے سلطانہ بلکہ سلطان کہا کرتے تھے۔ اُمرائے دربار میں سے ایک شخص "یاقوت حبشی" پر اس کی نظر توجہ دیکھ کر دوسرے امیروں کو غیرت آئی۔ تو سب سے پہلے ملک

اعزّالدین کبیر خانی گورنر پنجاب نے بغاوت شروع کی۔ رضیہ اس کی گوشمالی کو خود ایک بڑی فوج لے کر لاہور آئی۔ مگر یہاں سے صُلح کرکے دہلی جاتے ہوئے اُمرائے دربار نے راستے ہی میں یاقوت حبشی کو قتل کر کے رضیہ بیگم کو قلعۂ بھٹنڈہ میں نظر بند کر لیا۔ اور ۱۲۳۹ء میں اس کے دوسرے بھائی ملک معزّالدین بہرام شاہ کو تخت دہلی پر بٹھا دیا۔ رضیہ نے قلعۂ بھٹنڈہ میں ایک ترکی سردار ملک التونیہ سے نکاح کر کے معزّالدین سے لڑنے کو ایک بڑا لشکر تیار کیا۔ چنانچہ معزّالدین کے حمایتیوں اور رضیہ بیگم کے درمیان کیتھل ضلع کرنال میں ایک خونریز لڑائی بھی ہوئی۔ جس میں ملک التونیہ کے مارے جانے سے رضیہ کو شکست ہو گئی۔ اب یہ بیچاری مردانہ لباس میں بھوکی پیاسی جان بچاتی کسی بے رحم زمیندار سے ایک سوکھا ٹکڑا مانگ کر کھانے کے بعد تھکی ہاری وہیں زمین پر پڑ کر سو رہی تھی کہ زمیندار نے سونے کی حالت میں اس کے مردانہ کپڑوں کے نیچے بیش بہا ہیرے اور جواہرات جگمگاتے دیکھ کر لالچ کے مارے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد معزّالدین بھی لوگوں کی نظروں سے گر گیا۔ اور اُسے التمش کے تیسرے بیٹے علاؤالدین مسعود نے قتل

کر دیا۔ مگر جب یہ بھی کام نہ سنبھال سکا۔ تو آخرکار التمش کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصرالدین محمود کو تخت پر بٹھایا گیا +

ناصرالدین محمود یہ بادشاہ ایک تو خود نہایت پرہیزگار اور خدا ترس تھا۔ دوسرے اس کا وزیر غیاث الدین بلبن اتنا بڑا منتظم اور لائق تھا کہ اس نے سلطنت کو ضرورت کے موافق درست کر لیا تھا۔ اس نے حکومتِ پنجاب پر اپنے چچیرے بھائی شیر خاں المخاطب بہ معظم خاں کو مقرر کیا۔ جو بلبن کا تربیت یافتہ اور مشہور تجربہ کار افسر تھا۔ اس نے پنجاب پہنچتے ہی لاہور اور ملتان کے جاگیرداروں اور معافی خوروں کو مُغلوں اور کھوکھروں کے مقابل سرکاری امداد نہ کرنے کے ایام میں معزول کر کے انہیں کی اولاد میں سے نئے اشخاص کے نام تمام جاگیریں اور معافیاں از سرِ نو مقرر کیں۔ کہ صحیح و تندرست خون والے باحمیت نوجوان سرکار کے حلقہ خیر خواہی میں شامل ہوں۔ اور ان کے دلوں میں آرام طلبی کی جگہ کارگزاری کا ولولہ پیدا ہو +

غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء میں ناصرالدین کے انتقال پر غیاث الدین بلبن تختِ دہلی پر جلوہ افروز ہوا۔ جس کے عہد میں وسعتِ حکومت کے ساتھ ملک میں

ہر طرح امن و امان اور اہلِ علم کا بازار بھی گرم رہا۔ پنجاب پر تاتاری مغلوں نے بہت سے حملے کئے۔ مگر معظمّ خاں کی لیاقت اور بلبن کی انتظامی قوّت سے ہمیشہ شکست کھاتے رہے۔ سنہ ۱۲۷۰ء میں معظمّ خاں کے انتقال پر اس نے اپنے بڑے بیٹے سلطان محمّد کو پنجاب کا حاکم مقرّر کیا۔ جس نے لاہور کی جگہ ملتان کو اپنا صدر مقام قرار دیا۔ تاتاری مغلوں نے جہاں کہیں سر نکالا۔ موقع پر پہنچ کر ان کا سر کچلتا رہا۔ مگر سنہ ۱۲۸۴ء میں جب تیمور خاں تاتاری نے ایک زبردست لشکر لے کر ملتان پر حملہ کیا۔ تو اسی جنگ میں ایک تیر شاہزادے کا بھی کام کر گیا۔ اور تاتاری لٹیرے ملتان کی تباہی کے بعد تمام فوجی افسروں کو بھی قید کر کے ساتھ لے گئے۔ ہندوستان کے مشہور شاعر امیر خسرو دہلوی اسی سلطان محمد کے مصاحب خاص تھے۔ چنانچہ اس جنگ میں وہ بھی وحشی تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ اور بڑی دقتوں سے جان بچا کر واپس آئے ؛

بلبن نے سلطان محمد کے مرنے پر اُس کے بھائی کیخسرو خاں کو پنجاب کا حاکم بنایا۔ مگر جوان اور لائق بیٹے کے غم نے کمر توڑ دی۔ اور سنہ ۱۲۸۶ء میں بلبن کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا

پوتا کیخسرو تخت نشین ہؤا۔ جس کا کیقباد نے خاتمہ کیا۔ اور چند دنوں کی حکومت کے بعد خود بھی فالج گرنے سے مر گیا ؛

سلطان بلبن کو اہل کمال کا اتنا شوق تھا کہ شیراز میں شیخ سعدیؒ کے بلاوے کو معتبر آدمی بھیجے۔ مگر انہوں نے بڑھاپے کے عذر کے ساتھ کہلا بھیجا۔ کہ "آپ کے دربار میں امیر خسرو ایک جوہرِ قابل موجود ہے۔ اس لئے آپ کو اسی کی پرورش فرمانی چاہئے" ؛

خاندانِ خلجی بغرا خاں کا وزیرِ اعظم جلال الدین اس خاندان کا بانی ہؤا ہے۔ جو ایک حلیم مزاج اور بُردبار شخص تھا۔ اس کے عہد میں ہلاکو خاں تاتاری کا پوتا الغو خاں ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر پنجاب کو روندتا ہؤا دہلی تک جا پہنچا۔ مگر جلال الدین نے حکمتِ عملی سے اس کے ساتھ صلح صفائی کر لی۔ اور آخر اسلام کی خوبیوں نے اُسے مسلمان بنا کر چھوڑا۔ چنانچہ قبولِ اسلام کے بعد جلال الدین نے اُسے اپنی لڑکی دے کر رشتۂ محبت کو اور بھی مضبوط کر لیا۔ اور اس کے ہزاروں تاتاری ساتھی مسلمان ہو کر دہلی رہ گئے ؛

علاؤ الدین خلجی یہ بادشاہ جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور

داماد تھا۔ جو ۱۲۹۶ء میں چچا کو فریب سے قتل کر کے تخت نشین ہوا۔ اُن دنوں جلال الدین مرحوم کا بیٹا ارکلی خاں ملتان میں کام کر رہا تھا۔ علاؤالدین نے فوج کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ تو جلال الدین کا بڑا بیٹا رُکن الدین ارکلی خاں سے امداد لینے ملتان پہنچا۔ جس کے پیچھے پیچھے علاؤ الدین کے بھائی الغ خاں نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر بغیر کسی کشت و خون کے شیخ رُکن عالم کے ذریعے سے ارکلی خاں و رُکن الدین کو عزت و تعظیم کے ساتھ جاگیر دینے کا اقرار کر کے شہر خالی کرا لیا۔ مگر قبضہ پاتے ہی خلافِ عہد دونوں شہزادوں کو مع اُن کے بیٹوں کے قتل کر دیا۔ اور اس طرح تمام پنجاب پر بغیر کسی لڑائی کے علاؤ الدین کی حکومت جم گئی۔ اس کے عہد میں تاتاری مغلوں نے پنجاب پر دو تین حملے کئے۔ چنانچہ ۱۳۰۷ء میں جب داؤد خاں تاتاری نے حملہ کیا۔ تو علاؤ الدین خلجی خود جالندھر تک آیا۔ اور اس کو شکست دے کر نکال دینے کے بعد غازی ملک تغلق کو پنجاب کی حکومت پر مقرر کر کے خود دہلی لوٹ گیا۔ پھر ۱۳۰۹ء میں جب تاتاریوں نے پنجاب کو روندتے ہوئے دو لاکھ سپاہ

کے ساتھ دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ تو جب بھی اُس نے اُنہیں ایسی شکست دی کہ پھر وہ اُدھر آنے کا خیال نہ کر سکے +

اس بادشاہ کے مزاج میں سختی بہت تھی۔ ۱۳۱۶ء میں اس کا انتقال ہؤا۔ اس کے بعد پانچ سال تک تین حکمران اس خاندان کے جانشین ہو کر قتل و قید ہوتے رہے +

خاندان تغلق اس خاندان کا بانی غیاث الدین تغلق ہؤا ہے۔ جو اس سے پہلے پنجاب کا صوبہ دار تھا۔ اس لئے اس کے متعلق یہ لطیفہ قابلِ ذکر ہے کہ اس کے بیٹے جونا خاں کو سُلطان نظام الدین اولیا سے نہایت عقیدت تھی۔ غیاث الدین کو شبہ پیدا ہؤا کہ یہ سلطان جی سے اپنی تخت نشینی اور میری موت کی دعائیں کرانے جاتا ہے۔ اس لئے ۱۳۲۵ء میں ترہٹ کی مہم سے دہلی سے واپس آتے ہوئے اس نے سلطان جی سے کہلا بھیجا کہ میں بھی سلطان ہوں اور آپ بھی سلطان۔ لہٰذا اس پرانی مثل کے مطابق کہ "دو سلطان در اقلیمے نگنجند"۔ یعنی دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں سما سکتے۔ آپ دہلی سے کسی اور جگہ تشریف لے جائیے"۔ سلطان جی نے ہنس کر فرمایا "بابا! ہنوز دلّی دُور است"۔ (ابھی دلّی دُور ہے) چنانچہ ایسا ہی واقع ہؤا کہ جب جونا خاں بادشاہ کے استقبال کو (بقیہ بر صفحہ ۸۶)

نے ۱۳۲۰ء میں لاہور کی حکومت تاتار خاں کو اور ملتان کی کشلو خاں کو سونپ کر ایک بہادر فوج کے ساتھ دہلی کا رُخ کیا۔ اور نَو مُسلم خسرو خاں غاصب وزیر کو قتل کر کے تختِ دہلی پر پانچ سال تک خُود حکومت کی ؂

سلطان محمد تغلق

جونا خاں نے بادشاہ ہو کر سُلطان محمد تغلق نام اختیار کیا۔ اس کے عہد میں پنجاب عموماً کُشت و خُون کا گھر بنا رہا۔ پہلے تو داؤد خاں تاتاری کے بیٹے تُرمش خاں نے پنجاب اور ملتان کو رَوند ڈالا۔ اور جب بڑھتا ہُؤا دہلی کے قریب جا پہنچا۔ تو سلطان محمد سے ہوا اس سے کچھ بن نہ پڑا کہ بہت سا روپیہ دے کر اس سے پیچھا چھُڑائے۔ اس سے مخلصی

حاشیہ بقیۂ صفحہ ۸۵) دہلی سے چند منزل آگے جا کر باپ سے قدم بوس ہُؤا۔ اور دونوں نے ایک عارضی چوبی مکان میں کھانا کھایا۔ تو نکلتے ہوئے جونا خاں کے صحیح سلامت نکل آنے کے بعد مکان دفعۃً بیٹھ گیا۔ اور غیاث الدین مع اپنے چھوٹے بیٹے اور چند خاص مصاحبوں کے وہیں دب کر مر گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ مکان اسی غرض سے اس وضع کا کمانی دار بنوایا گیا تھا۔ جو ایک حرکت سے بیٹھ گیا۔ مگر کچھ بھی ہو۔ بادشاہ زندہ و سلامت دہلی نہ پہنچ سکا۔ اور "ہنوز دلی دُور است" کا فقرہ بطور ضرب المثل مشہور ہوگیا ؂

ہوئی - تو دہلی کی جگہ دیو گڑھ (دکن) بسانے اور اُس کو دارالخلافہ بنانے کا جنون ہوُا - اور اُمرائے دربار کو بھی مجبوراً وہاں مکان بنا کر رہنے کا حکم جاری کر دیا - اس انوکھے حکم کی کشلو خاں صوبہ دار ملتان نے مخالفت کی - تو بادشاہ نے اس پر فوج کشی کر کے میدان ابوہر میں ایک سخت لڑائی کے بعد فتح پائی - اس کے بعد شاہو افغان ایک لٹیرا پنجاب کو تاخت و تاراج کرتا رہا - پھر سامانہ و سنام کے صوبہ داروں نے بغاوت اختیار کی - جن کو سزا دینے کے لئے بادشاہ پھر پنجاب آیا - غرض اس کا تمام زمانہ نہایت پُر آشوب گزرا ٭

فیروز شاہ تغلق خاندانِ تغلق میں یہ بادشاہ نہایت لائق اور پرہیزگار ہوُا ہے - یہ غیاث الدین (بانی خاندانِ تغلق) کے بھائی رجب الدین تغلق کا بیٹا تھا - اس کی ماں اسی پنجاب کے ایک پُرانے رئیس رانا مل بھٹی کی بیٹی تھی - جو ابوہر کے پاس ایک چھوٹی سی ریاست کا مالک تھا - اس نے تختِ دہلی پر بیٹھ کر جہاں تک ہو سکا - ان زیادتیوں اور تکلیفوں کو رفع کیا - جو سلطان محمد تغلق کے عہد میں پیدا ہو گئی تھیں - فیروز پور جھرکے کا پختہ قصبہ اور قلعہ (جو اب ضلع گوڑگاؤں میں واقع ہے) اسی کا آباد کیا ہوُا ہے -

یہ ایک دفعہ جوالا مکھی مندر کے درشن کو کانگڑہ گیا۔ اور دو دفعہ ہانسی میں جمال ہانسویؒ کی زیارت کو آیا۔ اسی نے دریائے جمنا سے ضلع کرنال میں نہریں نکلوائیں۔ اور ہانسی سے کرنال اور دہلی تک سڑکیں بنوائیں۔ آخر ۱۳۸۸ء میں اس کا انتقال ہؤا +

اس کے بعد چار بادشاہ ہوئے۔ مگر پنجاب میں بسوا ابتری اور آئے دن کی شورش کے کوئی اچھی یادگار نہ چھوڑ گئے۔ ان میں آخری بادشاہ سلطان محمود تھا۔ جس کے وزیر اعظم ملّو خاں کا بھائی سارنگ خاں حکومت پنجاب پر متعین تھا۔ اس کے زمانے میں شیخا کھوکھر ایک ڈاکو مختصر سی جمعیت لے کر ملک میں جا بجا بدامنیاں کرتا رہا۔ ایسا ہی دوسرے صوبوں کا بھی بُرا حال تھا۔ سلطنت کمزور ہو گئی تھی۔ محمود کا بھائی نصرت الگ دعویدار ہو کر لڑائیاں کر رہا تھا۔ چنانچہ یہی ابتری امیر تیمور کو ہندوستان پر چڑھا لائی +

امیر تیمور کا حملہ تیمور تاتاری مغلوں کا چغتائی امیر تھا۔ اور وسط ایشیا میں تُرکوں اور مغلوں کی بیشمار فوج کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ سمرقند و بخارا اس کے صدر مقام تھے۔ بہادری اور بے باکی کی صفتیں تو اس قوم کو میراث میں مل چکی تھیں۔ مگر تیمور سے پہلے تاتاری مغلوں

کے داخلِ اسلام ہو جانے سے یہ عادتیں کسی قدر عقلمندی میں تبدیل ہو گئی تھیں ۔ امیر تیمور لکھا پڑھا فرمانروا تھا ۔ اس نے اپنے حالاتِ زندگی خود لکھے ہیں ۔ وہ عالموں فاضلوں کی بہت قدر کرتا اور سفر و حضر میں انہیں ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا ۔ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ " محمود تغلق کی کمزوری اور اس کے اہلکاروں اور بھائیوں کے لڑائی جھگڑوں ہی نے مجھے ہندوستان پر حملہ کرنے کا حوصلہ دلایا تھا " ۔

یہ مشہور حملہ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے سمرقند سے کابل کے راستے پنجاب پر کیا تھا ۔ تیمور پشاور ۔ تلمبہ ۔ اجودھن ۔ بھٹنیر ۔ سامانہ ۔ میرٹھ ہوتا ہوا دہلی تک جا پہنچا ۔ اس تمام راستے میں اس ہولناک لشکر کے مقابلے کی تاب کسے ہو سکتی تھی ۔ البتہ دہلی پہنچنے پر ملو خاں نے مٹھی بھر شاہی فوج اکٹھی کر کے مقابلہ کیا ۔ لیکن ایسی مختصر اور بیدل فوج ایسے تازہ دم لشکر کا مقابلہ کیا کرتی ۔ کچھ کٹ گئی ۔ کچھ بھاگ نکلی ۔ امیر کو فتح ہوئی ۔ تو تین دن تک دہلی میں لوٹ مار کا بازار گرم رہا ۔ بدقسمتی سے انہیں دنوں وہاں ایک فساد میں اس کے کچھ آدمی مارے گئے ۔ تو اس نے قتلِ عام کا حکم دے دیا ۔ اور غصہ فرو ہونے پر شہر کو معافی دے کر آپ لدھیانے اور جالندھر کے راستے جموں

جا پہنچا - اور وہاں کے راجہ کو مطیع بنا کر گجرات کی راہ پھر تلمبہ ہوتے ہوئے جس راستے آیا تھا۔ اُسی راستے سمرقند چلا گیا +

چونکہ امیر تیمور نے ہاتھی اسی سفر میں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ انسے ایک عجیب چیز سمجھ کر اپنے ساتھ کابل لے گیا۔ اس وقت محمود تغلق تو جان بچا کر کہیں سے کہیں بھاگا پھرتا تھا۔ سید خضر خاں حاکم پنجاب دہلی میں موجود تھا۔ امیر نے اپنی طرف سے اُسی کو ہندوستان کی حکومت عطا فرمائی +

تیمور کی نسبت روایت ہے کہ ایک دفعہ اپنے ابتدائی زمانے میں بھائی بندوں سے شکست کھا کر دل شکستہ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک چیونٹی پر نظر پڑی - جو اناج کا کوئی بڑا دانہ نیچے سے اُوپر لے جا رہی تھی - اور بوجھ کی زیادتی سے گر گر پڑتی تھی - مگر دانہ پھر بھی نہ چھوڑتی تھی - آخرکار وہ اپنے جسم سے بڑے دانے کو نیچے سے اوپر لے جانے میں کامیاب ہو ہی گئی - جس سے تیمور نے بھی دل کو تسلی دے کر برابر کوشش کرتے رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور آخر ایک دن بہت بڑا بادشاہ بن گیا +

خاندانِ سادات تیمور کے جانے پر محمود تغلق پھر دہلی میں آ موجود ہوا۔ اور ذلت و بے رعبی کے ساتھ چند سال

گزار کر مر گیا۔ اس کا وزیر دولت خاں لودھی سلطنت سنبھالنے کی فکر میں تھا کہ سیّد خضر خاں نے پنجاب سے جا کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ جسے امیر تیمور سے سندِ حکومت مِل چکی تھی۔ غرض اس خاندان کے چار بادشاہ چھتیس سال تک حکومت کرتے رہے۔ جن میں سے دوسرے جانشین مُبارک شاہ کا زمانہ پنجاب کے لئے عموماً فتنہ و فساد کا زمانہ تھا کہ ایک طرف جسرت گکھڑ ڈاکے ڈال رہا تھا۔ تو دوسری طرف پہاڑی اور جاٹ لوگ لُوٹ مار کر رہے تھے۔ جن کے انتظام کو مُبارک شاہ خُود پنجاب آیا۔ ڈیڑھ مہینہ لاہور میں رہ کر اس کی فصیل کی مرمّت کرائی۔ آوارہ گردوں اور باغیوں میں سے جتنے ہاتھ آ سکے۔ انہیں سزا دی۔ انتظام ملک پر نئے عہدہ دار مقرر کئے۔ مگر بادشاہ کے جاتے ہی باغیوں نے پھر وہی رنگ ڈھنگ شروع کر دیئے۔ ان کے آخری بادشاہ علاؤالدین نے بہلول خاں لودھی گورنر پنجاب کو اپنی حفاظت کے لئے بُلایا۔ جس نے ۱۴۵۱ء میں خود حکومت سنبھال لی ٭

خاندان لودھی افغان بادشاہوں میں یہی آخری خاندان ہُوا ہے۔ اس خاندان کا بانی بہلول خاں لودھی ایک نرم دل انسان تھا۔ ایک دفعہ جامع مسجد دہلی میں

نمازِ جمعہ کو گیا۔ تو مُلّا قازان (جو اس وقت خطیب تھا) کسی سے کہ رہا تھا" ان لودھیوں کو دیکھو۔ کیسے بے شعور لوگ ہیں۔ وضع بھی انوکھی۔ زبان بھی نرالی۔ ماں کو مور۔ بھائی کو دور۔ دائی کو شور۔ سپاہی کو طور اور آدمی کو نور کہتے ہیں" بادشاہ چپکے چپکے سُنتا رہا اور ہنستا رہا۔ مُلّا صاحب پھر بھی خاموش نہ ہوئے۔ تو کہا" مُلّا قازان! اب بس بھی کرو۔ مانا کہ ہم بدتمیز ہیں۔ پھر بھی خُدا کے بندے تو ہیں"۔

لکھا ہے کہ" جن دنوں وہ اپنے چچا کے پاس سامانہ میں تربیت پاتا تھا۔ ایک مجذوب فقیر سیّد انام وہاں رہا کرتے تھے۔ ایک دن سیّد صاحب نے بیٹھے بیٹھے ارشاد فرمایا کہ' جس کا جی چاہے۔ آج مجھ سے دو ہزار ٹکے پر دہلی کی سلطنت خرید لے'۔ بہلول سنتے ہی سولہ سو ٹکے جو اس کے پاس تھے۔ لے آیا۔ مجذوب صاحب نے قبول کرکے فرمایا' جا بیٹا! دہلی کی بادشاہت مُبارک ہو۔ دیکھو تو کیا سستا سودا ہے۔ ایک روپے کے چالیس ٹکے ہؤا کرتے تھے۔ دو ہزار ٹکے کے پچاس روپے ہوئے۔ اور سولہ سو کے چالیس روپے +

دوسرا بادشاہ سکندر لودھی ہؤا ہے۔ جس کے حکم سے پنجاب کا شہر لُدھیانہ آباد ہؤا۔ پہلے اس مقام کو" سیر ہونا" کہتے تھے۔ جب بادشاہ کے حکم سے

یُوسف خاں اور نہنگ خاں لودھی نے چھاؤنی ڈالی۔ تو لُدھیانہ نام پڑا ٭

ابراہیم لودھی اس خاندان کا تیسرا اور آخری فرمانروا ہُوا ہے۔اس نے ۱۵۱۷ء میں تخت ہندوستان پر بیٹھ کر درستی انتظام کے خیال سے سابقہ اُمرا اور صوبے داروں پر اس قدر سخت گیریاں شروع کیں کہ سب مخالف ہو گئے۔ پنجاب میں اُن دنوں دولت خاں لودھی اس کا ہم قوم صُوبے دار تھا۔ ابراہیم نے اُسے بھی آگرہ طلب کر لیا۔ دولت خاں نے بیماری کا عُذر لکھ کر اپنے بڑے بیٹے دلاور خاں لودھی کو بھیجا۔ تو ابراہیم نے دلاور خاں کو جیل میں لے جا کر سینتیس امیروں اور صُوبے داروں کو بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنے ہوئے دکھا کر کہا " دلاور! یہ سب حال جا کر باپ سے بیان کر دینا کہ اگر اب بھی دیر کروگے۔ تو اپنا بھی یہی حال سمجھ لینا" دلاور خاں نے لاہور آ کر باپ کو یہ حال سُنایا۔ تو اُس نے ابراہیم کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے بابر کو حکومت ہندوستان کے واسطے طلب کیا ٭

خاندانِ مُغلیہ

عہدِ بابری ظہیر الدین بابر خاندانِ تیموری کی چوتھی پُشت میں فرغانہ کا بادشاہ تھا۔ یہ ایک باخبر علمدوست اور قابل حُکمران ہوُا ہے۔ وطن میں چچا مخالف تھے۔ روز لڑائی ہوتی تھی۔ کبھی شکست کھاتا۔ کبھی فتح کا پھریرا اُڑاتا۔ آخر ۱۵۰۵ء میں اس نے وطن کو خیر باد کہہ کر افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ اور دل پسند باغات و محلات بنا کر خوب عیش اُڑائے۔ محلات تو اب نہیں رہے۔ باغِ بابر موجود ہے۔ جہاں اکثر لوگ جمعے کے دن چائے نوشی کرتے ہیں۔ اور یہ نامور بادشاہ خوابِ عدم میں سو رہا ہے ؁

۱۵۲۴ء میں بابر اپنے بیٹے کی شادی میں مصروف تھا کہ پنجاب سے دولت خاں لودھی کا بُلاوا پہنچا۔ یہ اس سے پہلے بھی دو تین بار سرحد پر چھاپے مار چکا تھا۔ اس لئے اتنے بڑے کام کو اختیار کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ خود لکھتا ہے "میں حملۂ ہند کی نسبت یہاں تک مُتردّد تھا کہ آخر میں نے استخارہ[1]

[1] مسلمان رات کو سوتے وقت چند خاص کلمات پڑھ کر خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی فلاں معاملے کا حال خواب کے ذریعے سے کھُل جائے۔ اسی عمل کو استخارہ کہتے ہیں۔ لغوی معنی خیر یعنی نیکی مانگنا ہیں؁

کیا۔ اور اپنے دل میں قرار دیا کہ اگر کل کوئی اچھی خبر آئی۔ تو میں اس معاملے میں غیبی اشارہ سمجھوں گا۔ اتفاقاً دوسرے ہی دن صبح کے وقت دولت خاں لودھی کی طرف سے آموں کا تحفہ شہد کی ہانڈیوں میں لگا ہؤا پہنچا۔ جسے میں نے فال نیک سمجھ کر ارادہ پختہ کر لیا۔ اور دولت خاں کے لڑکے سے وعدہ کیا کہ شادی سے فراغت پا کر ضرور آؤنگا۔" چنانچہ بابر تو وعدے کے مطابق آ گیا۔ لیکن دولت خاں انتظار کی تاب نہ لا کر آگرے جا پہنچا۔ اور ابراہیم کا خیرخواہ بن گیا۔ بابر کے سامنے دریائے اٹک سے لاہور تک تو کسی نے کان نہیں ہلایا۔ البتہ لاہور میں دولت خاں لودھی کے نائبوں نے جھوٹ موٹ مقابلہ کر کے ضرور منہ کی کھائی۔ اور وہ یہاں سے فارغ ہو کر سرہند کو فتح کرتا ہؤا پانی پت تک جا پہنچا +

پانی پت پر ابراہیم و بابر کی لڑائی

ابراہیم لودھی استقبال جنگ کو آگے تو بڑھ نہ سکا۔ مگر ایک لاکھ بہادر فوج اور ایک ہزار جنگی ہاتھی لے کر پانی پت پر آ ڈیرا جمایا۔ بابر کے ساتھ کل پچیس ہزار فوج تھی۔ یہ دہلوی لشکر کی تعداد اور ہاتھیوں کی آہنی دیوار دیکھ کر دنگ نہ گیا۔ مگر اب لڑائی کیونکر رک سکتی تھی۔ ناچار ساتھیوں کو حوصلہ دلایا۔ اور ۱۱۔ اپریل

۱۵۲۶ء کو لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ اپنی وضع کی بالکل نرالی تھی کہ ایک طرف تو دونوں بادشاہ اپنی فوجوں کی خود کمان کر رہے تھے۔ دوسرے بجائے پُرانی طرز کے تیروں اور تلواروں کے توپ اور بندوق سے کام لیا جاتا تھا۔ غرض دونوں طرف کے بہادروں نے خُوب مردانگی کی داد دی۔ اور خُوب ہی جان توڑ کر لڑے۔ ابراہیم کو ہاتھیوں کی قوت پر ناز تھا۔ مگر بابر نے خود بڑھ کر ایک بڑے ہاتھی پر تلوار کا ہاتھ مارا۔ تو سونڈ کٹ گئی۔ اور جب وہ چیختا چلاتا پچھلی طرف بھاگا۔ تو دوسروں نے بھی ساتھ دیا۔ اور اسی طرح اپنی ہی فوج کو روندتے ہوئے یہ ہزار کے ہزار ہاتھی میدان سے بھاگ نکلے۔ جس سے بابری فوج کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور ابراہیمی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ آخر ابراہیم لودھی کے مارے جانے پر بابر فتح مندی سے دہلی جا داخل ہوا۔ جس کے بعد تین چار سال اس کو بہار و بنگالہ وغیرہ کی لڑائیوں میں مشغول رہنا پڑا ✤

ہمایوں کی بیماری اور بابر کی موت

بابر کو سلطنت ہند حاصل کئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس کا چہیتا بیٹا ہمایوں بستر بیماری پر لیٹ گیا۔ دوا

درمن خیر خیرات سب کچھ ہوتی۔ مگر ہمایوں نہ اچھا ہوتا۔ آخر لوگوں نے بابر کو صلاح دی کہ "کوئی سب سے پیاری چیز صدقہ دیجئے"۔ جس پر اُس نے کہا " مجھے ہمایوں سے سوا جان کے اور کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے؟ پس وہی تصدق کئے دیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ تین بار بیٹے کے پلنگ کے گرد پھرا۔ اور دُعا کی " الٰہی! ہمایوں کی بیماری مجھے لگ جائے۔ اور یہ اچھا ہو جائے"۔ خدا کی قدرت اُسی وقت سے یہ بیمار اور ہمایوں تندرست ہونا شروع ہؤا۔ یہاں تک کہ بیٹا تو اُٹھ بیٹھا۔ اور باپ چل بسا۔ یہ واقعہ ۲۶۔ دسمبر سنہ ۱۵۳۰ء کا ہے +

حکومت و سلطنت کی ہوس تو اَور چیز ہے۔ مگر بابر ہندوستان و پنجاب کو دل سے پسند نہ کرتا تھا۔ وہ اپنی توزک میں لکھتا ہے۔" نہ تو اس ملک میں باتمیز نوکر ملتے ہیں۔ نہ عمدہ گھوڑے۔ نہ بازاروں میں اچھا کھانا ہوتا ہے۔ نہ لذیذ میوے۔ باشندوں میں نہ صنعت و حرفت کا شوق ہے۔ اور نہ زندہ دلی کا ذوق۔ دریا پر خیمہ لگاتے ہیں۔ تو دروازہ خشکی کی طرف رکھتے ہیں۔ اور بارش آتی ہے۔ تو بند مکانوں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں"+

عہدِ ہمایونی

بابر نے ہمایوں کو وصیت کی تھی۔ کہ "بھائیوں پر مہربانی کرنا"۔ چنانچہ اُس نے باپ کی وصیت کے موافق اِن کے ساتھ ہمیشہ ہی اچھا سلوک کیا۔ مرزا ہندال کو سنبھل۔ مرزا عسکری کو الور و گوڑگاؤں۔ اور مرزا کامران کو حکومتِ لاہور عطا فرمائی۔ مگر اس پر بھائی کبھی خوش نہ ہوئے۔ تھوڑے عرصے بعد شیر خاں افغان صوبہ دار بہار بگڑ بیٹھا۔ ہمایوں خود تھوڑی سی فوج لے کر اس کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ مگر قسمت پلٹ چکی تھی۔ شکست کھائی۔ اور شیر خاں نے اَور بھی شیر ہو کر شاہی لشکر کا آگرے تک پیچھا کیا۔ آگرے پر لڑائی ہوئی۔ تو دارُالخلافے پر بھی شیر خاں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمایوں بہت ستّ پٹایا۔ بیرم خاں جیسے وفادار بھی چھٹ چھٹا کر کہیں سے کہیں مارے مارے پھرنے لگے۔ نا اُمیدی کی حالت میں راجۂ جودھ پور سے مدد مانگنے گیا۔ مگر وہاں سے جواب خشک ملا۔ یہ غریب ریگستانِ سندھ میں ٹھوکریں کھا رہا تھا کہ امرکوٹ میں اکبر پیدا ہوا۔ بیٹے کی پیدائش پر امیر تو کیا غریب بھی بہت بڑی خوشیاں کرتے ہیں۔ مگر ہمایوں کی حالت ایسی ردّی تھی کہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ آخر کامران مرزا سے امداد لینے پنجاب آیا۔ مگر یہاں کا نقشہ بھی

بدل چکا تھا۔ کامران شیر خاں سے یہ وعدہ لے کر
کہ "وہ اُسے افغانستان کا بادشاہ تسلیم کرلے گا"
دریائے سندھ کے پار ہو رہا تھا۔ ناچار ہمایوں کو
بھی کابل جانا پڑا۔ مگر بھائیوں کی مہربانی نے
وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اتنے میں مدت
کے بچھڑے ہوئے بیرم خاں بھی آملے۔ اور مشورہ
ہوا کہ ایران چلنا چاہیئے۔ چنانچہ کُل ستر آدمی
ساتھ لے کر یہ نامور شہنشاہِ ہند ایران روانہ ہوگیا۔

خاندانِ سُوری ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۶ء تک سولہ برس
یہ خاندان ہندوستان و پنجاب پر حکمران رہا۔
شیر خاں جس نے بادشاہ ہو کر شیر شاہ لقب
اختیار کیا۔ ساٹھ برس کا تجربہ کار بادشاہ تھا۔
اس کے زمانے میں پنجاب کی صوبیداری پر
ہیبت خاں عُرف اعظم خاں ہمایوں مقرر تھا۔
موقع پا کر وہ بھی بگڑ بیٹھا۔ مگر شیر شاہ نے
شکست دے کر نکال دیا۔ جس کے بعد بادشاہ
نے بلوچوں کے دباؤ کے لیئے ملتان کے پاس
قلعۂ شیر گڑھ بنایا۔ اور گکھڑوں کو قابو میں
رکھنے کے لیئے جہلم کے پاس ایک میل مُربع
زمین پر قلعۂ رہتاس تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ
پنجاب کا مشہور قصبہ خوشاب[1] بھی اسی بادشاہ

[1] اس قصبے کا نام خوش آب تاریخی ہے۔ اور ۹۰۹ھ ہجری میں بنا تھا۔

کا آباد کیا ہوًا ہے - کلکتہ سے پشاور تک کی شاہی سڑک اسی کی یادگار ہے - جس کے دونوں طرف اس نے سایہ دار درخت اور میلوں کے نشان لگائے - اور جا بجا سرائیں اور کنوئیں بنوائے مال گزاری کے اُصول بھی اُس نے جو کچھ مقرّر کر دئیے تھے - وُہی آئندہ چل کر مُغلیہ عہد میں رائج رہے - اور اب تک قریب وُہی برتے جاتے ہیں - اس کے انتقال پر اُس کا بیٹا سلیم شاہ تخت نشین ہوًا - جس کے عہد میں احمد خاں افغان صوبیدار پنجاب سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے حکومت پنجاب سے سلطنتِ ہند کے خواب دیکھنے لگا - اس کے علاوہ ابراہیم سور دعویدارِ تخت ہو کر میدان میں آیا - ۱۵۵۳ء میں اس کا انتقال ہوًا - تو محمد شاہ عدلی کو برائے نام تخت پر بٹھا کر ہیموؔ[1] تیغ و قلم کا افسر ہو گیا - جس کا خاتمہ اکبر کے وقت بیرم خاں کے ہاتھ سے ہوًا +

[1] ہیمو ریواڑی کا رہنے والا دھوسر بنیا تھا - جس نے سلیم شاہ کے وقت میں شاہی چھاؤنی میں پہلے تو آٹے دانے کی دکان کھولی - پھر لیاقت اور کارگزاری سے ہیمو رائے اور ہیمو شاہ وزیر اعظم بن گیا +

ہمایوں کی واپسی ہمایوں ہندوستان و افغانستان سے مایوس ہو کر ایران پہنچا۔ تو بیرم خان کی قابلیت نے شاہ طہماسپ صفوی شاہِ ایران کو خاطرداری پر آمادہ کیا۔ دھوم دھام کی دعوتیں اور تکلف کی ضیافتیں ہوئیں۔ ایک دن شاہ نے راگ کا جلسہ منعقد کیا۔ جس میں گانے والے نے خواجہ حافظ شیرازیؒ کی ایک غزل گا کر سنائی۔ اور جب وہ اس شعر پر پہنچا ؎

زرنج و راحتِ گیتی مشو خنداں مرنجاں دِل
کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور شاہِ ایران پر بھی یہ اثر ہوا کہ اس نے ہمایوں کو چودہ ہزار سوار دے کر افغانستان پر قسمت آزمائی کا موقع دے دیا۔ اور اس کے صلے میں علاقۂ قندھار ایران کے حوالے کر دینے کا وعدہ لے لیا۔ چنانچہ ہمایوں نے اسی امدادی لشکر سے قندھار پر حملہ کیا۔ اور وعدے کے مطابق قندھار ایرانیوں کے حوالے کر دیا۔ افغانستان میں ابھی جم کر بیٹھا بھی نہ تھا کہ پنجاب و ہندوستان کے عالموں اور رئیسوں نے اس ملک میں دوبارہ

ؔ ترجمہ۔ خوشی غمی سے زمانے کی ہو نہ شاد و ملول
کہ ایکساں کبھی اس کے نہیں رہے معمول

تشریف آوری کے لئے زور دینا شروع کیا۔ جس پر
وہ اہل و عیال سمیت پنجاب آ پہنچا۔ لیکن یہاں
آکر معلوم ہؤا کہ ابھی کامیابی میں کسی قدر دیر
ہے۔ اس لئے کچھ عرصہ گکھڑوں کے علاقے میں
رہا۔ اتنے میں سلیم شاہ سوری کا انتقال ہؤا۔ ابراہیم
عدلی اور سکندر تین دعویدار میدان میں نکل کھڑے
ہوئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ہمایوں نے بھی
۱۵۵۴ء میں پشاور پر قبضہ کرکے وہاں بالا حصار
کے نام سے قلعہ بنوایا۔ پھر دریائے سندھ سے اُتر
کر قلعۂ رہتاس پر قبضہ کرتے ہوئے گجرات سے
لاہور آ پہنچا۔ کسی نے آنکھ تک میلی نہ کی۔ اس
وقت سکندر شاہ سور ابراہیم سور کو شکست
دے کر تختِ ہندوستان سنبھال چکا تھا۔
اس نے ہمایوں کی خبر سنی۔ تو تیس ہزار فوج دے
کر تاتار خاں کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ جس نے
ماچھی واڑہ اور سرہند دونوں جگہ ہمایوں سے شکستیں
کھائیں۔ اور سکندر کو کوہستان کانگڑہ میں چھپنا
پڑا۔ جس کے بعد ہمایوں نے اس کے تصفیے پر
بیرم خاں کے ساتھ اکبر کو پنجاب میں چھوڑ کر خود
تختِ دہلی جا سنبھالا۔ مگر چھ ماہ بعد ایک شام
کتب خانے کی چھت سے پاؤں پھسلنے سے اس کا

انتقال ہو گیا +

عہدِ اکبری

ہمایوں کی خبرِ وفات پہنچی۔ تو بیرم خاں نے پیر محمد خاں کو سکندر کی سرکوبی کے لئے مقرّر کیا۔اور بٹالہ ضلع گورداسپور کے پاس قصبۂ کلانور کے ایک عمدہ باغ میں پُختہ[ل] تخت بنوا کر سادہ طور پر اکبر کو تخت نشین کر دیا۔اس کے بعد خیمہ و خرگاہِ شاہی جالندھر پہنچا تھا کہ ہیمو شاہ وزیر عدلی کے دہلی و آگرہ فتح کر لینے کی خبریں پہنچیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہؤا کہ اب وہ ایک لاکھ پیادہ۔ دس ہزار سوار۔ پانسو توپیں۔ اور ایک ہزار ہاتھی ساتھ لئے پنجاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس خبر سے اکبری سرداروں کے تو چھکّے چھوٹ گئے۔ مگر وفادار بیرم خاں نے ذرا ہمّت نہ ہاری۔ سب کو بُلا کر سمجھایا کہ "دیکھو۔ بادشاہ سلامت تو بچے ہیں۔ بھاگ جاؤ گے۔ تو ہم اپنی سفید ڈاڑھیاں لے کر وطن میں کیا منہ دکھائیں گے؟ مرنا ہے تو سُرخرو ہو کر مرو۔" اس تقریر سے گرتے ہوئے مغل سنبھل گئے۔ اور

[ل] یہ تخت پختہ اینٹوں کا بنا ہؤا ہے۔اُس وقت تو غالباً گچ کار اور صاف سُتھرا ہوگا۔ مگر اب ٹوٹا پڑا ہے۔ باغ بھی اُجڑ چکا ہے۔اور تخت کا چبوترہ چھوڑ کر باقی تمام اِرد گرد کی زمین پر زمیندار کھیتی باڑی کر رہے ہیں +

لشکرِ اکبری نے (جس کی کُل کائنات بیس ہزار سے زیادہ نہ تھی) استقبالِ جنگ کے لیئے کرنال کے راستے دہلی کی سمت کوچ کر دیا +

پانی پت کی لڑائی

تائیدِ غیبی سمجھو - یا حُسنِ اتّفاق کہو۔ فوجِ اکبری کے آگے آگے علی قلی خاں ایک سردار دس ہزار سواروں کے ساتھ جا رہا تھا کہ ادھر سے ہیمو شاہ کا ایک مختصر دستہ توپ خانہ لیئے آتا دو چار ہوا۔ دونوں کی جھڑپ ہوئی - تو علی قلی نے توپ خانے پر قبضہ کر لیا - اتنے میں ۵- نومبر ۱۵۵۶ء کو اکبر بھی جا پہنچا - اور میدان پانی پت میں ایک دفعہ پھر ویسا ہی ہنگامۂ قیامت بپا ہو گیا - جیسا کہ اس سے پہلے امیر تیمور کے وقت ہو چکا تھا - اُدھر ہیمو قلب لشکر میں ایک کوہ وقار ہاتھی پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا - ادھر بیرم خاں گھوڑے پر سوار جاں بازی کے جوہر دکھا رہا تھا - ہیمو کے بے شمار لشکر کے سامنے اکبری فوج کی بساط ہی کیا تھی - مگر بیرم خاں نے پاؤں اُکھڑتے دیکھے - تو ہاتھی گھوڑے چھوڑ خود پیادہ پا لڑائی میں گھُس پڑا - اور وُہ ہاتھ دکھائے کہ اکبری فوج کی ہمّت ایک سے سَو ہو گئی - تیروں کی بارش میں ہیمو کو بھی ایک تیر لگا - اور زخمی ہوتے ہی ایک اکبری سردار شاہ

قلی خاں سر پر جا پہنچا۔ ہیمو کا گرفتار ہونا تھا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ میدان اکبر کے ہاتھ آیا۔ زخمی ہیمو دربارِ اکبری میں پیش ہوا۔ تو شیخ گدائی نے عرض کی "فتحِ اوّل کی یادگار میں حضور خود اپنی تلوار سے اس نابکار کا سر اڑائیں"۔ مگر اکبر نے کہا "قیدی پر تلوار چلانا کہاں کی بہادری ہے"؟ آخر بیرم خاں نے خود اس کا کام تمام کرنے کے بعد ہاتھ سے نکلے ہوئے دہلی اور آگرے کو جا سنبھالا +

بادشاہ کو دہلی میں مصروف دیکھ کر سکندر شاہ بھی کوہستانِ کانگڑہ سے نکل کر لاہور کے قریب تک آ پہنچا تھا۔جس کے مقابلے کو اکبر پھر جالندھر آیا۔ لیکن اس کے آتے ہی سکندر شاہ بدستور قلعۂ مان کوٹ میں جا قلعہ بند ہو گیا۔شاہی فوج نے دیر تک محاصرہ کیا۔ تو نتیجہ یہ ہُوا کہ وعدۂ معافی پر سکندر نے اظہارِ اطاعت کیا۔ اور اکبر نے چار مہینے لاہور کے قلعہ و فصیل کی درستی اور انتظام کی بحالی پر صرف کرنے کے بعد دہلی کی طرف مراجعت کی +

بیرم خاں کی معزولی تم پڑھ چکے ہو کہ بیرم خاں اُمرائے اکبری کا سرتاج تھا۔ اکبر کا نام ہی نام تھا۔ حکومت اسی باوشاہِ تدبیر کا کام تھا۔لیکن جب اکبر

جوان ہؤا۔ تو حاسدوں نے بھڑکایا کہ اب ان بوڑھے میاں کی قیدِ بے زنجیر سے چھوٹنا چاہئے۔ اکبر لحاظ کے مارے دُو بدُو تو کہ نہ سکا۔ سیر کے بہانے آگرے سے دہلی آیا۔ اور یہاں سے فرمان جاری کر دیا کہ "آج سے عنانِ حکومت ہم خُود سنبھالتے ہیں" جہاندیدہ وزیر سُنتے ہی سُن ہو گیا۔ حاضری کا ارادہ کیا۔ تو غرض مندوں نے اس کا بھی موقع نہ دیا۔ ناچار بڑے بڑے سرداروں کو جو اُس کے پاس تھے۔ دربار میں بھیج کر مشہدِ مقدس کی زیارت کے ارادے سے روانۂ پنجاب ہؤا۔ مگر در اندازوں نے اس پر بھی چین نہ لینے دیا۔ بادشاہ کو سمجھایا۔ کہ یہ پنجاب پر قبضہ کرنے جا رہا ہے۔ اور پنجاب لیتے ہی افغانستان و بدخشان سب اسی کا ہو جائیگا" نوجوان اکبر نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ گرفتاری اور مقابلے کو فوج روانہ کر دی۔ بلکہ خود بھی پنجاب آیا۔ آخر وہ غریب دق ہو کر دریائے بیاس کے کنارے ماچھی واڑہ پر رُک گیا۔ اور چھچھورے چغلخوروں کی گوشمالی کرنے کے لئے سچ مچ جنگ کا ارادہ کر لیا۔ بہت دل لڑائی ہوئی۔ مگر اس میں بھی یہ عالم تھا کہ شاہی بہادروں کے مارے جانے کی خبر سُنتا۔ تو رو دیتا۔ غرض نامہ و پیام کے ذریعے

سے اکیلے حاضری کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ یہ وفا و صدق کی تصویر فوج کو چھوڑ کر تنہا دربار اکبری کو روانہ ہوا۔ وہاں سے حسب دستور اُمرائے شاہی استقبال کو آئے۔ مگر دربار کے قریب پہنچ کر اُس نے خُود بکتر سے تلوار نکال کر گلے میں ڈالی۔ سر سے پٹکا کھول کر اپنے ہاتھ باندھے۔ عمامہ سر سے اُتار کر گلے میں پیٹا۔ اور مجرموں کی وضع بنائے خیمۂ شاہی تک جا پہنچا۔ اکبر دیکھتے ہی لب فرش لینے کو آیا۔ تو بیرم خاں نے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور ڈاڑھیں مار مار کر اتنا رویا۔ کہ پتھر بھی پانی ہو گئے۔ خود بادشاہ کے بھی آنسو نکل پڑے۔ اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور دربار میں لے جا کر داہنی طرف عزت سے بٹھایا۔ آخر گلے شکوے کی باتیں ہو چکیں۔ تو حج کی صلاح ٹھہری۔ اور یہ عبرت کا پتلا دربار اکبری سے کعبۃ اللہ روانہ ہوا۔ راستے میں جہاں اُترا۔ اہل کار اور افسر آنکھوں پر بٹھاتے۔ سر پر اُٹھاتے۔ مگر جب پٹن (علاقۂ گجرات کاٹھیاواڑ) پہنچا۔ تو شام کے وقت مبارک خاں لوہانی ملنے کے بہانے آیا۔ اور دوستانہ سلام علیک کر کے چھپے ہوئے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔

دُنیا کیا عبرت کا مقام ہے۔ یہ اُسی بیرم خاں کا انجام ہے۔ جس کی بے ریا خدمتوں نے ہمایوں اور اکبر کو ہندوستان دلوایا۔ اور سلطنتِ مغلیہ کو اس شان پر پہنچایا کہ اس کے سامنے سب سلطنتوں کا چراغ گُل ہو گیا +

بیرم خاں نے صرف ایک چھوٹا سا بچہ عبدالرحیم خاں چھوڑا تھا۔ جو بڑا ہو کر خانخاناں کے لقب سے ملقّب ہؤا۔ اور باپ کی طرح نیکی۔ خدمت گزاری۔ سخاوت اور مروّت میں وہ نام کر گیا کہ دُنیا میں چند ہی ایسی مثالیں مل سکیں گی +

مرزا محمد حکیم یہ صاحب اکبر کے سوتیلے بھائی اور کابل کے حکمران تھے۔ اور گو اکبر کے ساتھ بڑی بڑی بد سلوکیاں کر چکے تھے۔ لیکن اس نے پھر بھی قرابت داری کے لحاظ سے بڑے بڑے تحائف بھیج کر اپنے پاس آگرہ بُلا بھیجا تھا۔ مگر نا فہم مرزا اس پر بھی شکر گزار نہ ہؤا۔ اور بعض دوسرے اُمرائے اکبری کے بغاوت کرنے سے بھائی کا مُلک دبا بیٹھنے کو تیار ہو گیا۔ اسی ارادے سے دریائے سندھ کو عبور کر کے بھیرہ کو لُوٹتا ہؤا لاہور آ پہنچا۔ اُن دنوں یہاں اتگہ خیل اکبری صوبے دار تھا۔ یہ بیچارا مرزا کو آتے دیکھ کر

قلعہ بند ہو گیا کہ خدا جانے بادشاہ سلامت بھائی سے لڑائی کو مناسب بھی سمجھیں یا کیا! آخر اکبر خود فوج لے کر آیا۔ اور اس کے نقارے کی آواز سنتے ہی مرزا نے کابل کی راہ لی۔ بادشاہ نے قلعے اور فصیل لاہور کی دوبارہ مرمت کرائی۔ پھر سرحد پر جا کر ۱۵۸۱ء میں دریا کے کنارے قلعۂ اٹک بنوایا۔ اور راجہ مان سنگھ کو حاکم پنجاب مقرر کر دیا۔ جس کے بعد کچھ عرصہ راجہ بھگوان داس بھی پنجاب کی صوبیداری کرتا رہا +

مہم باجوڑ و تیراہ اس کے بعد سرحدی اقوام کی لوٹ مار روکنے کے لئے بادشاہ نے ایک مہم روانہ کی۔ مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ امدادی لشکر بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ تو قضا نے راجہ مہیش داس عرف بیربل کو ساتھ کر دیا۔ یہ بیچارے درباری آدمی لڑائی کیا لڑتے۔ جاتے ہی مارے گئے۔ ان کے مرنے سے بادشاہ کو اتنا رنج ہوا کہ کئی دن تک کھانا نہ کھایا +

بادشاہ کا قیام لاہور اکبر کا دار الخلافہ تو آگرہ تھا۔ مگر سرحدی بکھیڑوں اور سندھ کے حملوں کے خیال سے ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۹ء تک سولہ سال کا زمانہ اُس نے اکثر لاہور ہی میں بسر کیا۔ چنانچہ آدم خاں

سُلطان گکھڑ نے یہیں لاہور میں اکبر کے حضور حاضر ہو کر اپنے مُلک جہلم سے راولپنڈی تک کی سند سلطانی حاصل کی۔ اور اس کے بعد جب کمال خاں نے دعوےٰ کیا۔ تو بادشاہ نے دونوں میں آدھا آدھا ملک تقسیم کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ لیکن آدم خاں نے اس فیصلے کو منظور نہ کیا۔ تو بادشاہ نے کمال خاں ہی کو تمام علاقہ دلوا کر آدم خاں کو نظر بند کر لیا +

لاہور کا بارونق بازار انارکلی تم نے ضرور دیکھا یا سُنا ہوگا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انار کلی اکبر ہی کی ایک خواص تھی۔ جس کا لاہور میں انتقال ہو کر مقبرہ بنا۔ تو قریب ہی یہ بازار بھی آباد ہو کر اُسی کے نام سے منسوب ہو گیا۔ اس کے علاوہ بہتیرے باغات بنے۔ اُمرا نے بہت سے مکانات بنائے۔ جن میں سے حکیم علی مصاحب اکبری کا ایک اعجوبہ حوض ذکر کے لائق ہے +

عجیب حوض یہ حوض پانی سے لبریز تھا۔ طول و عرض ۲۰ × ۲۰ گز۔ گہرائی ۳ گز۔ بیچ میں ایک سنگین کمرہ۔ اس کی چھت پر بلند مینار۔ کمرے کے چاروں طرف پُل۔ لطف یہ تھا کہ کمرے کے دروازے کھُلے تھے اور پانی اندر نہ جاتا تھا۔ بادشاہ بھی سیر کو

گیا۔ کپڑے اُتار کر خوُد غوطہ مارا۔ اور دیکھ کر نہایت خوُش ہُوا۔ (مگر اب اس حوض کا کہیں نشان تک نہیں پایا جاتا) اسی زمانے میں بہت سے قصبات بھی نئے آباد ہوئے۔ مثلاً بیرم خاں کا آباد کیا ہُوا بہرام پور۔ راجہ ٹوڈر مل کا آباد کیا ہُوا قصبہ کھڈیاں وغیرہ +

راجہ ٹوڈر مل کھتری ذات کی ٹنڈن گوت سے لاہور کے رہنے والے تھے۔ جو معمولی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے اکبر کے وزیر باتدبیر اور کُل ہندوستان کے دیوانِ مال ہو گئے۔ مؤتمن الدولہ عمدۃ الملک خطاب اور ہفت ہزاری منصب پایا۔ وہ مرتے دم تک اکبری دیوان رہے۔ لاہور میں انہوں نے بھی ایک عمدہ تالاب اور محل بنوایا تھا۔ اُن کا یہیں انتقال ہُوا۔ بیٹا پہلے مر چکا تھا +

اکبر نے پنجاب کے دریائے راوی میں چلانے کے لئے دو جہاز بھی بنوائے تھے۔ جو پندرہ پندرہ ہزار من بوجھ اُٹھاتے تھے۔ اُن پر سترہ سترہ ہزار روپے لاگت آئی تھی +

اکبر کے عام حالات

اکبر گو اَن پڑھ شخص تھا۔ مگر حکمرانی کا طریق خوب جانتا تھا۔ بیرم خاں کے بعد اس نے خوُد مختار ہو کر جن لوگوں کو نو رتن

اکبری میں شامل کیا۔ وہ واقعی لائق اور بادشاہ اور ملک کے سچے خیر خواہ تھے۔ لیکن بیرم خاں کا حال دیکھ کر کسی کو یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ بادشاہ کو اُس کی غلطیوں سے آگاہ کرتا۔ بلکہ جو کچھ بھی وہ کہ دیتا۔ درباری اس کی تائید اپنا ایمان سمجھتے۔ اس لئے اکثر نامناسب باتیں بھی ہو جاتیں +

اکبر نے ہندوؤں کو دوست ہی نہیں۔ بلکہ رشتہ دار بنایا۔ ان کی رسمیں اختیار کیں۔ جوالا مکھی کے مندر کی زیارت کو ننگے پاؤں کانگڑہ گیا۔ اور اس سے پہلے ہندوؤں سے جزیئے[1] کے نام سے جو اسلامی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ وہ بھی موقوف کر دیا +

---

[1] جزیہ فارسی لفظ گزیہ کا معرّب ہے۔ یہ اس خفیف ٹیکس کا نام ہے۔ جو نوشیرواں کے عہد میں بادشاہ وقت اُن زیر حفاظت لوگوں سے لیا کرتے تھے۔ جنہیں جنگی خدمات معاف ہوتی تھیں۔ پس مسلمان بھی تمام غیر قوموں سے ایک ایسی رقم وصول کیا کرتے تھے۔ جس کی مقدار فی مرد تین روپے سے بیس روپے سالانہ تک ہوا کرتی تھی۔ بچے۔ بوڑھے اور مذہبی عالم (برہمن، اپاہج وغیرہ) قطعی معاف تھے۔ اور مسلمان اس واسطے بری تھے کہ اُن پر فوجی خدمت لازم تھی۔ چونکہ افغان بادشاہ غیر قوموں کو فوج میں شامل نہ کرتے تھے۔ اس لئے وہ بھی (بقیہ بر صفحہ ۱۱۳)

اکبر نے ایک نیا مذہب دینِ الٰہی کے نام سے جاری کیا تھا۔ جس میں آفتاب کی پرستش اور اکبر کی تصویر کی پُوجا ہوتی تھی۔ اس دین میں راجہ بیربل اس کا خلیفہ۔ اور ابوالفضل مجتہد تھا۔ مگر کسی پر سختی نہ تھی کہ ضرور یہ مذہب اختیار کرے ❊

یہ سب باتیں سلطنت کی کامیابی کے لئے تو غالباً مفید ہوئیں۔ لیکن بادشاہ کے بانیٔ مذہب بن جانے سے مسلمانوں میں مذہبی بے پروائی عام ہو گئی۔ اور ان کے تمدن و معاشرت میں ہندوانہ رسم و رواج نے دخل پا لیا۔ آخر ۱۶۰۵ء میں اکبر کا انتقال ہو گیا ❊

(حاشیہ صفحہ ۱۱۲) ہندوستان و پنجاب کی غیر مسلم رعایا سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ لیکن اکبر کے وقت میں جب ہندو بھی مسلمانوں کی طرح فوجی عہدوں پر مقرر ہونے لگے۔ تو جزیہ شرعی طور پر جاتا رہا۔ لکھا ہے کہ جب راجہ مان سنگھ مہم کانگڑہ پر روانہ ہوُا۔ تو ملا شیری پنجابی نے یہ قطعہ لکھ کر اکبر کے پیش کیا۔ اور اسی کے مضمون پر توجہ فرما کر اس نے جزیے کا دستور معاف کر دیا ؎

شہا! فرماں فرستادی بہ راجہ ۔۔۔ کہ سازد ہندوانِ کوہ را رام
چُناں رونق گرفت از عدلِ تو دیں ۔۔۔ کہ ہندو میزند شمشیرِ اسلام

عہدِ جہانگیری

اکبر کو جن دنوں اولاد کی تمنّا تھی۔ اس زمانے میں شیخ سلیم چشتی ایک ولی اجمیر میں رہا کرتے تھے۔ وہ بزرگ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد سے دہلی کے رہنے والے تھے۔ جہانگیر اپنی توزک میں اُن کی کرامات کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "ایک دن میرے والد (اکبر) نے پوچھا۔ آپ کا سایہ نیازمندوں کے سر پر کب تک رہیگا؟" جواب دیا "عالم الغیب تو خدا ہے۔" پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا "جب شاہزادہ اِتنا بڑا ہو جائے کہ یاد کرانے سے کچھ سیکھ لے۔ اور آپ پڑھنے لگے۔ تو جاننا کہ ہمارا وصال قریب ہے۔" اس پر والد (اکبر) نے تاکید کر دی کہ ساتھ والے نظم و نثر کچھ نہ سکھائیں۔ اسی طرح ۲ برس ۷ ماہ گزر گئے۔ مگر محلّے کی ایک عورت نے جو اکثر خیرات لینے آیا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے اکیلا پا کر یہ شعر یاد کرایا ؎

الٰہی غنچۂ اُمید بکُشا گُلے از روضۂ جاوید بنما

میں نے جا کر شیخ کو سُنایا۔ تو مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ اسی رات اُنہیں بخار آیا۔ دوسرے دن تان سین کلاونت کو بُلا بھیجا۔ گانا شروع ہوُا۔ تو والد کو بُلا کر کہا۔ بس اب وعدۂ وصال پہنچ

گیا۔ اس کے بعد موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا +

اکبر ابتدا میں اُنہیں کا مرید تھا۔ خدا کی قُدرت کہ اکبر نے اِدھر اُن سے اولاد کے لئے دُعا کرائی۔ اُدھر حرم سے حمل کی خبر آئی۔ دِن پُورے ہوئے۔ تو اس نے رانی کو حصول برکت کے لئے شیخ صاحب کے گھر بھجوا دیا۔ اور جہانگیر پیدا ہؤا۔ تو اُنہیں بزرگ کے نام پر "سلیم" نام رکھا۔ بلکہ اسی نسبت سے شیخوؔ بھی کہنے لگے۔ بڑا ہُوا۔ تو صوبۂ پنجاب جاگیر میں عطا ہؤا۔ جہانگیر کو شکار کا شوق بہت زیادہ تھا۔ اس نے لاہور سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر جنگل کے کنارے ایک قلعہ بنوایا۔ جو اس کی مناسبت سے شیخوپورہ مشہور ہؤا۔ اسی جنگل سے پکڑ کر ایک ہرن بھی پال رکھا تھا۔ وہ مر گیا۔ تو شہزادے کو سخت رنج ہؤا۔ اس کی یادگار میں پختہ قبر پر ایک بلند ہشت پہلوؔ مینار اور پاس ہی ایک تالاب بنوایا۔ جو اب تک موجُود اور ہرن منارہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی سلیم یا شیخوؔ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں اکبر کے مرنے پر نُورالدین جہانگیر کے نام سے تخت نشین ہُوا +

اس بادشاہ کو پنجاب کے ساتھ اِتنا دِلی

تعلّق ہو گیا تھا کہ بادشاہت کے بعد بھی اکثر پنجاب میں رہا۔ اس کے عہد میں لاہور کے باغات و عمارات میں بہت بڑی ترقی ہوئی۔ اسی نے یہاں ایک بڑی عید گاہ بنوائی تھی۔ جو مُنہدم ہو چکی۔ اور اب اس کی جگہ ریلوے مدرسہ جاری ہے +

خسرو کی بغاوت خسرو جہانگیر کا بڑا بیٹا تھا۔ جو باپ کی بے اعتدالیوں کے سبب دادا کی نظر میں زیادہ عزیز تھا۔ اکبر کی بزرگانہ محبّت سے اُسے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ باپ کو پھلانگ کر میں ہی تخت نشین ہو جاؤں۔ حالانکہ اکبر کی محبّت صرف جہانگیر کی طرف سے مایوسی اور خسرو کے ہونہار بچپن کی بُنیاد پر تھی۔ بیٹے کے حق مارنے کا خیال ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بسترِ مرگ پر پڑے پڑے تمام اُمرا و رؤسا سے جہانگیر کو نذریں دِلوا کر باقاعدہ بادشاہ بھی بنا دیا تھا۔ مگر خسرو اپنے خیالِ خام سے باز نہ آیا۔ اور جہانگیر کی تخت نشینی کے چار ماہ بعد چوری چھُپے ایک رات قلعہٴ آگرہ سے نکل کر پنجاب پر قبضہ کرنے چلا آیا۔ اور اپنے ہم خیال امیروں کے لشکریوں سے ہمراہیوں کی تعداد بڑھا کر راستے کے قلعوں اور خزانوں سے دولت و

قوّت سمیٹتا ہوا لاہور پہنچ گیا۔ خبر ہوئی۔ تو جہانگیر بھی بیس ہزار فوج سے تعاقب کو روانہ ہوا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے خسرو لاہور پہنچ چکا تھا۔ اس وقت یہاں کا حاکم دلاور خاں تھا۔ جس نے خسرو کی آمد پر قلعہ اور شہر کے دروازے بند کرا دئے کہ خدا جانے باپ بیٹے میں لڑائی کس ڈھنگ سے ہو۔ ہمیں بادشاہ کے پہنچنے تک خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ مگر خود سر اور بے درد خسرو نے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ دروازوں کو آگ لگا کر شہر کو لُوٹ لیا جائے۔ چنانچہ کامل ایک ہفتہ لاہور کو آگ لگانے اور لُوٹنے کا کام جاری رہا۔ جہانگیر آیا۔ تو خسرو کی آنکھ کھُلی۔ اور کابل بھاگ جانے کا قصد کیا۔ مگر گرفتار ہو کر بادشاہ کے حضور حاضر ہونا پڑا۔ جہانگیر نے اس کے خاص مُصاحبوں میں سے میرزا حسین خان اور عبدالرحیم خان کے لئے تو گدھے کی کھالوں میں سلوا کر تشہیر کا حکم دیا۔ اور باقی سات سَو سرغنوں کو دہلی دروازے سے نولکھا باغ تک دو طرفہ لکڑیاں گڑوا کر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ اور پھر شہزادے کو ایک ہاتھی پر سوار کرا کے اس طرح سیر کرائی کہ

ایک نقیب نام بنام پکار کر کہتا جاتا تھا۔
"شہزادۂ عالم! وہ حضور کا فلاں نمک حلال
وفادار پھانسی پر سے سلام عرض کر رہا ہے۔
وغیرہ۔ شہزادے کو اس نظارے سے اتنا رنج
ہُوا کہ تین دن تک کھانا نہ کھایا۔ جس کے
بعد سولہ برس تک نظر بند رہ کر باپ کے
جیتے جی دُنیا سے رُخصت ہو گیا +

واقعۂ مہابت خاں ۱۶۲۵ء میں جہانگیر لاہور سے
سَیرِ کابل کے لئے روانہ ہُوا۔ آصف خاں
وزیرِ اعظم۔ نور جہاں بیگم اور سرکردہ امیر سب
ساتھ تھے۔ کچھ معمولی سا شاہی لشکر اور وزیر
و بیگم کی اردلی فوجیں بھی ہمرکاب تھیں۔
دریائے جہلم کے اس پار (کریالہ سٹیشن پر)
عجیب واقعہ پیش آیا کہ صبح دم جب شاہی لشکر
کوچ کر چُکا۔ وزیر و بیگم کی فوجیں بھی دریا کے
پار اُتر چکیں۔ اور صرف بادشاہ سلامت ہی چند آدمیوں
سمیت سوار ہونے کو خیمے میں باقی رہ گئے۔ تو
مہابت[1] خاں نے خاص اپنے چھ ہزار ہتھیار بند

[1] مہابت خاں افغانستان کا باشندہ پٹھانی وضع کا ایک بہادر
لائق اہلکار تھا۔ جو امرائے شاہی میں پنج ہزاری منصب رکھتا
تھا۔ یہ شہزادہ خرم کے ساتھ مہم دکن پر گیا۔ (بقیہ بر صفحہ ۱۱۹)

اہل برادری اور ہم وطن جوانوں کے ساتھ آکر خیمۂ شاہی کا محاصرہ کر کے بے دھڑک اندر جا سلام کیا۔ اوّل تو روکنے کی جرأت ہی کسے تھی۔ اور اگر کسی نے ٹوکا بھی۔ تو اس نے فوراً مار گرایا۔ جب نورجہاں کو اس اچانک واقعے کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے جھٹ پٹ کچھ اپنی اور کچھ آصف خاں کی فوج واپس لا کر جنگ چھیڑ دی۔ مگر مہابت خاں نے پہلے تو دریا کا پل تڑوا دیا۔ کہ فوج نہ آسکے۔ اور جتنی آچکی تھی۔ اس کی ایسی مرمت کی کہ وزیر و ملکہ نے شکست کھائی۔ اور بادشاہ کو مجبور ہو کر اس کی جبری وزارت تسلیم کرنی پڑی۔ جس کے بعد بادشاہ سلامت گویا مہابت خاں کی نظربندی میں نئے سرے سے کابل روانہ ہوئے۔ کیونکہ مہابت خاں بادشاہ کے گرد و پیش ہمیشہ اپنے آدمی لگائے رکھتا۔ اور کسی کو پاس تک پھٹکنے نہ دیتا تھا۔

(حاشیہ از صفحہ ۱۱۸) تو نورجہاں بیگم نے شہزادہ خرّم کی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کر کے اس بات کا یقین دلایا کہ مہابت خاں شہزادے کو بغاوت پر تیار کر رہا ہے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کی طلبی کا حکم لکھا۔ نورجہاں کو تو آنے کی اُمید نہ تھی۔ مگر حکم پہنچتے ہی یہ فوراً آپہنچا۔ اب امرائے دربار نے نورجہاں کے ایما سے یہ چال چلی کہ مہابت خاں جہانگیر کے پاس پہنچ نہ سکے۔ ورنہ پہلی ہی ملاقات میں اپنی اور شہزادے کی برائت ثابت کر کے ہمیں جھٹلا دیگا +

مرزا عبدالرحیم خانخاناں (بیرم خاں کا بیٹا) ایک بڑے پائے کا امیر اور بہادر سپہ سالار اس وقت لاہور کا صوبہ دار تھا۔ جس کے بگڑنے سے مہابت خاں کو خدشہ تھا۔ لہذا اُس نے اُسے بھی جہانگیر کے ایک دستخطی حکم کے ذریعے سے دہلی بھجوا کر دلجمعی کر لی +

کابل پہنچنے پر جب بادشاہ نے اس قیدِ بے زنجیر سے نکلنے کی کوئی اور صورت نہ دیکھی۔ تو ایک دن مہابت خاں سے فرمایا "شاہی منصب دار مُقررہ منصبوں سے کم فوج رکھ کر جاگیروں کا روپیہ مفت اُڑا رہے ہیں۔ اور جو قدرے قلیل فوج رکھتے ہیں۔ اس کے اسلحہ و پوشاک کی حالت بھی اطمینان کے قابل نہیں پائی جاتی۔ جس سے شاہی ضروریات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے تمام منصب داروں کے نام حکم جاری کرنا چاہئے۔ کہ اپنی اپنی فوجی حاضری دے کر حضورِ ایں جانب کی تسلی کریں"

نور جہاں بیگم بھی بارہ ہزاری اُمرا میں شامل تھی۔ اور منصب کے مطابق اس کی بھی فوجی طاقت بہت کم تھی۔ مہابت خاں نے بیگم کو ذلیل کرنے کا موقع غنیمت سمجھ کر سب کے

ساتھ اس کے نام بھی فوجی حاضری دینے کے احکام بھجوا دئے۔ نور جہاں بظاہر تو اس حکم سے سخت ناراض ہوئی۔ مگر اندر ہی اندر اس نے چند ہی دنوں میں سب سامان لیس کر کے مہابت خاں کو کہلا بھیجا کہ "آپ بادشاہ کو ساتھ لے کر فلاں وقت حاضری فوج کے لئے تشریف لے آئیں"۔ بیگم جہانگیر کے ساتھ پہلے ہی سانز باز کر چکی تھی۔ بادشاہ سلامت معمولی طور سے ہاتھی پر سوار جا پہنچے۔ مہابت خاں بھی ایک گھوڑے پر سوار پیچھے پیچھے آ رہا تھا کہ فیلبان نے شاہی اِشارہ پاتے ہی ہاتھی کو مہابت خانی اردل سے نکال نور جہانی لشکر میں پہنچا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی بیگم کی فوج نے مہابت خانی آدمیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ ایسی حالت میں مہابت خاں کو بھاگ کر جان بچانے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ غرض وہ بھاگا۔ اور بادشاہ اس زبردست وزیر کی قید سے رہا ہو کر بخیریت کابل سے لاہور اور لاہور سے کشمیر کی سیر کو روانہ ہو گیا۔ جہاں وہ اکثر گرمیاں بسر کرنے چلا جایا کرتا تھا۔ کشمیر کی شان میں یہ شعر اُسی کی تصنیف سے ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

ہُما | توزک جہانگیری میں لکھا ہے "کوہستانِ پیر پنچال کے رہنے والوں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ یہاں رات کے وقت کسی جانور کے پرواز کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مگر جانور نظر نہیں آتا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ پرندہ ہُما ہے۔ جس کی بابت پچھلے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جس شخص کے سر پر بیٹھ جائے۔ وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے یہ قصّہ سُن کر حکم دیا۔ جو شخص اس جانور کو زندہ یا مُردہ لاکر پیش کریگا۔ پانسو روپیہ انعام پائیگا! جس کے تھوڑے دنوں بعد جمال خاں ایک نشانہ باز نے آواز ہی پر ایسا نشانہ لگایا کہ نامعلوم پرندہ شکار ہو گیا"۔ لکھا ہے کہ اس کی صورت باز سے ملتی جُلتی تھی۔ چیرا گیا۔ تو واقعی پوٹے میں سے ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ جو ہُما کی خوراک مشہور ہے سہ

ہُمائے بر ہمہ مُرغاں ازاں شرف دارد
کہ اُستخواں خورد و طائرے نیازارد

زعفران | ایک یہ واقعہ بھی لکھا ہے "زعفران[1]

[1] زعفران یعنی کیسر کشمیر کے قصبہ پان پور میں (بقیہ برصفحہ ۱۲۳)

کشمیر کی نسبت جو مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص زیادہ مقدار میں کھا جائے۔ تو ہنستے ہنستے مر جاتا ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہم نے ایک قیدی کو برابر دو دن کافی مقدار میں کھلایا۔ مگر موت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا"۔

بجلی

جالندھر کے قریب کا یہ قصہ لکھا ہے:۔ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک دفعہ برسات کے دنوں میں ایسی سخت کڑک ہوئی کہ لوگوں نے جانا۔ آسمان سے بجلی اُتر کر زمین میں دھنس گئی ہے۔ شاہی صوبہ دار تحقیق کو پہنچا۔ تو دیکھا کہ واقعی تقریباً دس دس گز مربع زمین گرمی سے آگ کی طرح جل رہی ہے۔ صوبہ دار نے زمین کھدوائی۔ تو اُسے دس گز گہرا کھودنے پر لوہے کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا۔ جو انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ پانی ڈال کر ٹھنڈا کیا۔ تو حضور شاہی میں بھیج دیا گیا۔ یہاں اُستاد داؤد ایک مشہور مستری تھا۔ بادشاہ نے اُسے اس برقی لوہے سے تلوار اور خنجر بنانے کا حکم دیا۔ مگر اس نے عرض کی کہ سوا دوسرے فولاد کی

(حاشیہ صفحہ ۱۲۲) پیدا ہوتا ہے۔ اس سے کھانے کے چاولوں کو رنگ دیتے ہیں۔ بڑا مقوی اور گرم ہوتا ہے۔

آمیزش کے صرف اسی لوہے سے کوئی چیز نہ بن سکے گی۔ کہ خالص برقی لوہا بھٹی کی آگ اور ہتھوڑے کی ضرب سہار نہیں سکتا۔ چنانچہ شاہی اجازت سے اس نے ایک حصہ دوسرا فولاد اور تین حصے وہی برقی لوہا ملا کر ایک تلوار دو چھریاں اور ایک خنجر بنا کر پیش کیا"۔

وفات سنہ ۱۶۲۷ء میں سیر کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے بادشاہ بہرام[۱] گلہ کے بلند پہاڑ پر بیٹھا شکار کھیل رہا تھا۔ عام لوگ جنگلی جانوروں کو چاروں طرف سے گھیر کر نشانے کے سامنے لا رہے تھے۔ اسی سلسلے میں کوئی لڑکا ایک ہرن کو شاہی نشانے کی جگہ کھڑا کرتے کرتے پاؤں پھسلنے سے چکنی کنکریوں پر سے لڑھکتا ہوا سینکڑوں گز ڈھلوان میں جا گرا۔ بادشاہ کو اس نظارے سے اس قدر صدمہ ہوا کہ اسی وقت بخار آ گیا۔ جس کے ساتھ اس کے پرانے رفیق دمہ نے بھی خوب زور دکھایا۔ آخر وہیں تیسرے دن اٹھائیس اکتوبر سنہ ۱۶۲۷ء کو عالم سفر میں انتقال ہو گیا۔

جہانگیر گو مسلمان تھا۔ مگر شرعی پابندی کا نام تک نہ جانتا تھا۔ ہر مذہب کے عالموں اور فقیروں

۱؎ غالباً بہرام خاں کے نام سے مشہور ہے۔

کی دل سے عزت کرتا۔ اور اکثر ہندو رشیوں کے ہاں تین تین کوس پیادہ پا چل کر جانے سے بھی نہ چُوکتا۔ اس کی بے تعصبی کی یہی مثال کافی ہوئی کہ خاص اس کے خاندان میں دانیال کے دونوں بیٹے عیسائی ہو گئے۔ اور کچھ عرصے بعد خُود ہی مسلمان بھی ہو گئے۔ مگر اس نے پُوچھا تک نہیں ؛

بادشاہ کے مرتے ہی آصف خاں نے اپنے داماد شہزادہ خُرّم کو دکن میں خبر پہنچائی۔ اور نُورجہاں نے اپنے داماد شہریار کو لاہور میں اطلاع کرائی۔ جس کے سنتے ہی شہریار تو لاہور میں مسند نشین ہو کر روپیہ لٹانے لگا۔ مگر خرّم (شاہ جہاں) بھی فوراً ہی بجلی کی طرح دکن سے آگرہ پہنچ گیا۔ اور تختِ شاہی پر جلوس کر کے آصف خاں کے نام شہریار وغیرہ کے قتل کر دینے کے احکام جاری کر دئے۔ چنانچہ اُس نے بہرام گلہ سے لاہور پہنچ کر پہلے تو شہریار داور بخش وغیرہ پانچ تیموری شہزادوں کو ہمیشہ کے لئے موت کی گود میں سُلایا۔ پھر جہانگیر کی لاش نور جہاں کے باغ دلکشا واقع شاہدرہ (لاہور) میں دفن کی۔ اور بارہ لاکھ کی لاگت سے اس

کا ایک بے نظیر مقبرہ تیار کرایا +

ناظرین اس واقعے کو یاد رکھیں - اور دیکھتے جائیں کہ مُغلیہ بادشاہوں کی مسند نشینی کے وقت دوسرے حق داروں یا رشتہ داروں کو قتل کرنے کا دستور جو یہاں سے شروع ہؤا ہے - اب کہاں تک پہنچتا ہے +

نور جہاں بیگم ہندوستان کی یہ مشہور ملکہ جو لاہور کی خاکِ پاک میں سو رہی ہے - اس کا باپ مرزا غیاث ایران کا ایک امیر ہؤا ہے - جو گردشِ زمانہ سے مفلس ہو کر تلاشِ روزگار کے لئے ہندوستان آیا - حاملہ بیوی بھی ساتھ تھی - جسے قندھار کے قریب پہنچنے پر لڑکی پیدا ہوئی - مگر ان میاں بیوی میں پرورش کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ تھی - ناچار کلیجے پر پتھر رکھ کر لڑکی کو سڑک پر ڈال دیا - اتنے میں خدائے کارساز نے ایک رحم دل سوداگر کا قافلہ بھیج دیا - جس نے لڑکی کو لاوارث سمجھ کر گود میں اٹھا لیا - دایہ کی تلاش ہوئی - تو خود اُسی کی والدہ دودھ پلانے کو مل گئی - سوداگر نے تمام حال سے واقف ہو کر اُسے اپنوں کی طرح پرورش کیا - اور مہرُالنسا نام رکھا - اسی سوداگر کی سفارش پر مرزا غیاث کو اکبر کے

حضور کوئی معمولی سی خدمت بھی مل گئی۔ رفتہ رفتہ محل شاہی میں ماں بیٹیوں کی آمد و رفت بھی ہو گئی۔ جوان لڑکی جو شکل اور عقل دونوں میں انتخاب روزگار تھی۔ ایک دن محل سرائے شاہی میں باغ کی سیر کر رہی تھی کہ شہزادہ سلیم (جہانگیر) دونوں ہاتھوں میں کبوتر پکڑے ہوئے اُس طرف آ نکلا۔ پھول توڑنے کے لئے ہاتھ خالی کرنے کی ضرورت ہوئی۔ تو مہرالنسا کو پاس کھڑے ہوئے دیکھ کر کہا "بی لڑکی! ذرا ہمارے کبوتر تو تھامنا" اس نے دونوں ہاتھوں میں کبوتر لے لئے۔ شہزادہ پھول توڑنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ کبوتروں کو دیکھ رہی تھی کہ ہاتھ ڈھیلا ہونے سے ایک کبوتر اُڑ گیا۔ شہزادے نے فارغ ہونے پر ایک ہی کبوتر دیکھا۔ تو کہا۔ وہ دوسرا کیا ہوا؟ اس نے عرض کی "شہزادۂ عالم! وہ تو اُڑ گیا" شہزادے نے کہا "وہ کیونکر"؟ اُس نے بھولپن سے دوسرا بھی اُڑا کر کہا "حضور! ایسے"! یہ حرکت شہزادے کو کچھ ایسی پسند آئی کہ دل میں گھر کر گئی۔ اکبر کو اطلاع ہوئی۔ تو اُس نے سمجھایا کہ بیٹا! بادشاہ رعایا کے باپ ہوا کرتے ہیں۔ اور باپ سبھی لڑکیوں کو بُری نظر

سے نہیں دیکھ سکتا۔ خبردار ایسی بات پھر نہ کرنا۔" ادھر مہر النسا کے باپ سے کہ کر علی قُلی خاں ایک فوجی افسر کے ساتھ اُس کی شادی کرا دی۔ اور اُسے اپنی طرف سے بردوان کا علاقہ جاگیر میں عطا فرما دیا۔ شہزادہ بادشاہ بنا۔ تو مہر النسا یاد آئی۔ علی قلی خاں کو بُلایا۔ اور بہادری کا چکمہ دے کر مست ہاتھی سے بھڑا دیا۔ مگر اس مردِ میدان نے اُسے بھی مار بھگایا۔ پھر شیر سے لڑا دیا۔ اور جب اس بے جگر بہادر نے اُسے بھی مار گرایا۔ تو شیر افگن کا خطاب اور خلعت و انعام دے کر رخصت فرمایا۔ تھوڑے دنوں بعد قطب الدّین صُوبہ دار بنگالہ کو بردوان بھیجا کہ تم جا کر شیر افگن خاں سے اصل مُدعا صاف بیان کرو کہ مہر النسا کو طلاق دے کر حضورِ شاہی میں بھیج دے۔ وہ غریب بردوان جا کر ایک دن باتوں باتوں میں شکار کھیلتے ہوئے یہ قصّہ زبان پر لایا ہی تھا کہ علی قلی خاں نے آپے سے باہر ہو کر تلوار کھینچ لی۔ ایک ہی وار سے قطب الدّین کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ بلکہ ہمراہی سپاہیوں میں سے بھی اکثر قتل اور زخمی کر ڈالے۔ آخر سب نے نرغہ

کرکے اُسے بھی مار گرایا۔ کہتے ہیں کہ جہانگیر اور مہرالنسا دونوں کو یہ قصہ اتنا ناگوار ہؤا کہ برسوں ملاقات نہ ہوئی۔ مگر پھر کسی موقع پر وُہ پُرانی پھانس تازہ ہو گئی۔ اور مہرالنسا کا جہانگیر سے نکاح ہو گیا۔ جس سے مہرالنسا نوُر جہاں بن گئی۔ اور چند ہی دنوں میں حُسن لیاقت سے جہانگر کے مزاج پر ایسا قابوُ پایا کہ جہانگیر برائے نام بادشاہ تھا۔ بیگم باقاعدہ دربار میں چلمن ڈال کر کاغذات سُنتی اور ہر ایک پر خوُد مناسب احکام لکھواتی تھی۔ سکے پر بھی شاہی نام کے ساتھ نوُر جہاں کا نام شامل ہو گیا ؎

بحکمِ شاہِ جہانگیر یافت صد زیور
بنامِ نور جہاں بادشاہ بیگم زر

نور جہاں نے بھائی کو وزیر اعظم بنا کر آصف خاں کا خطاب دلایا۔ پھر اس کی لڑکی کو شہزادہ خرم (شاہجہاں) سے بیاہ کر شیر افگن کی نشانی یعنی اپنی لڑکی کا نکاح جہانگیر کے دوسرے بیٹے شہزادہ شہریار سے کرا دیا۔ بیگم نے سوچا کہ اس سے تعلقات اور بھی مضبوط ہو جائینگے۔ مگر بہن بھائی ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ نور جہاں خرّم کو محرُوم کرکے شہریار کو

ولیعہد بنانا چاہتی تھی۔ تو آصف خاں شہزادہ خرّم کی تخت نشینی کے لئے ساز باز کر رہا تھا +

نور جہاں بیگم جہانگیر کے اٹھارہ سال بعد تک زندہ رہی۔ شاہجہاں نے عزّت کے ساتھ لاہور میں بارہ لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر مقرّر کر دی۔ مگر شوہر کے بعد عقیل ملکہ نے کار و بارِ سلطنت میں کبھی دخل نہ دیا۔ جب تک زندہ رہی۔ جہانگیر کی قبر کے پاس رہی۔ اور مرنے کے بعد بھی یہیں دفن ہوئی۔ کہتے ہیں۔ نورجہاں کا مقبرہ بھی مقبرۂ جہانگیر کے نمونے پر تیّار ہوا تھا۔ جس کے پتھر وغیرہ سکھوں کے عہد میں یہاں سے اُکھاڑ کر دربار صاحب امرت سر میں لگا دئے گئے۔ اور یہ عمارت بے چراغ رہ گئی +

نور جہاں ایک لائق ملکہ تھی۔ پان میں کتھا چونا ملا کر کھانا اُسی کی ایجاد ہے۔ عطر اور گوٹا کناری بھی اسی کی یادگار ہے۔ شعر سے بھی ذوق تھا۔ یہ اُسی کا شعر ہے ؎

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گُلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بُلبُلے

عہدِ شاہجہانی	خرّم نے تخت نشین ہو کر شاہجہان

کا لقب اختیار کیا۔ وہ لاہور ہی کی پیدائش تھا۔ اور ابتدائی عمر بھی یہیں گزاری تھی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ پنجاب ہی سلطنتِ ہند میں ناکے کی جگہ ہے۔ اس لئے یہاں کی صوبہ داری پر اس نے پہلے تو اپنے خاص وزیر باتدبیر مہابت خاں کو مقرر کیا۔ جس نے نہایت خوبی سے یہاں کا انتظام کیا۔ اور مرنے کے بعد یہیں باغبانپورہ کے پاس دفن ہؤا۔ اس کا مقبرہ شالامار باغ کے قریب اب تک موجود ہے ٭

نواب وزیر خاں مہابت خاں کے بعد نواب علیمُ الدّین وزیر خاں صوبہ دار پنجاب مقرر ہوئے ٭

یہ صاحب چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے ایک معمولی طبیب آگرہ میں عام مطب کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تاج محل بیگم بیمار ہوئی۔ اور شاہی طبیبوں کے معالجے نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ تو قدرت نے انہیں دربار شاہی میں جا پہنچایا۔ خدا نے ملکہ کو صحت عطا فرمائی۔ تو یہ ملازمتِ شاہی میں داخل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ اتنی ترقی پائی کہ امیر الاُمرا وزیر خاں پنجہزاری ہو گئے۔ جہانگیر نے اپنے آخر وقت میں جب شاہجہاں کو قید کر دیا تھا۔ اور کسی کی سفارش کارگر نہ

ہوتی تھی۔ تو انہوں نے اُسے بیمار ثابت کر کے تبدیلِ آب و ہوا کے لئے دکن بھجوایا۔ خود بھی ساتھ گئے۔ اس سفر میں شہزادے نے باپ سے باغی ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر خدا نے ایسے سامان پیدا کر دئے کہ بغاوت کے بغیر ہی بادشاہی مل گئی +

وزیر خاں نے اپنے زمانے میں چینی کے کام والی ایک وسیع مسجد لاہور میں بنوائی۔ جس کے ساتھ دو رویہ بازار اور حمام بھی تھا۔ حمام تو ٹوٹ پھوٹ کر عہدِ انگریزی میں چنگی خانہ بن گیا۔ بازار کی دُکانیں بِک بِکا گئیں۔ البتہ مسجد موجود ہے۔ جسے دیکھنے کو دُور دُور سے سیّاح آتے ہیں۔ دریائے چناب کے کنارے وزیر آباد بھی انہیں کا آباد کیا ہُوا ہے۔ پلکھو نالہ پر مثمّن بُرج اور باغ کی عمارات وغیرہ انہیں کے محلات کی یادگاریں ہیں +

شاہجہان بادشاہ ہو کر چار سال تک تو پنجاب نہ آ سکا۔ مگر اس کے بعد ۱۶۴۰ء سے ۱۶۵۸ء تک اٹھارہ سال اس نے عموماً لاہور ہی میں گزارے۔ دارا شکوہ ولیعہدِ سلطنت بھی یہیں کے ایک مشہور بزرگ محمد شاہ بدخشانی عرف مُلّا شاہ صاحب کا

مُرید تھا۔ جو حضرت میاں میرؒ[1] صاحب کے مُرید و خلیفہ خاص تھے +

نواب سعد اللہ خاں یہ صاحب چنیوٹ کے باشندے تھے۔ بادشاہ کے قیام لاہور کے زمانے میں ملازمت پا کر بخت کی رسائی اور ذاتی دیانت و دانائی سے ترقی کرتے کرتے امیر الاُمرا نواب سعدُ اللہ خاں بہادر ہفت ہزاری بن گئے۔ اور سلطنت کا کُل سیاہ و سفید انہیں کے سپُرد ہو گیا۔ تیس لاکھ روپے سالانہ تنخواہ پاتے تھے۔ جاگیریں اس کے علاوہ۔ ہر کام پورے اہتمام سے کرنے کے عادی تھے۔ ایک دفعہ شہزادہ مُراد نے بادشاہ سے شکایت کی کہ "اچھے اچھے علاقے تو نواب نے اپنی جاگیر میں لے لئے ہیں۔ غیر آباد اور بنجر قطعات ہمیں دے دئے ہیں"۔ نواب نے سنا۔ تو مُراد کے دیوانِ خاص کو بُلا کر کہا "آپ

[1] آپ قادریہ طریقہ رکھتے تھے۔ جہانگیر اور شاہجہاں دونوں کو دیکھا تھا۔ دونوں آپ کے معتقد تھے۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے آپ کی صحبت میں حکومت چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر آپ نے منع فرمایا۔ شاہجہان بھی عموماً دارا شکوہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوتا رہتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۶۳۷ء میں ہوئی۔ اٹھاسی سال کی عمر پائی +

اپنے بنجر علاقوں کا میرے آباد قطعات سے مبادلہ کر لیجئے" وہاں کیا دیر تھی۔ خوشی خوشی مبادلہ ہو گیا۔ مگر سال بعد دیکھا۔ تو شہزادے کے پاس کا علاقہ بنجر ہو کر غیر آباد۔ اور نواب کا بنجر علاقہ آباد ہو گیا تھا۔ شہزادے نے نواب سے ذکر کیا۔ تو اس نے کہا" شہزادۂ عالم! زمین سب یکساں ہے۔ آبادی غیر آبادی علاقہ دار کی محنت پر منحصر ہے" ۱۶۵۶ء میں اس لائق وزیر کا انتقال ہؤا۔ تو شاہجہاں کے آنسو نکل پڑے۔ بادشاہ نے اس کے بڑے بیٹے لطف اللہ خاں کو (جو پندرہ برس کا تھا) آٹھ صدی منصب اور تین چھوٹے بیٹوں۔ دو بیٹیوں اور چار عورتوں کا بھی مناسب روزینہ مقرر فرما دیا۔ لطف اللہ خاں عام طور پر میاں خاں کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے لاہور میں ایک عالیشان مکان رنگ محل کے نام سے بنوایا۔ جس میں اب مشن سکول ہے۔ کہتے ہیں۔ سعد اللہ خاں نے بھی لاہور ہی میں تعلیم پائی تھی +

نواب علی مردان خاں

وزیر خاں کے انتقال پر پنجاب کی صوبہ داری نواب علی مردان کو عطا ہوئی۔ جنہوں نے یہاں بہت سی قابل دید عمارات

بنوائیں۔ شالامار باغ انہیں کے زمانے کی یادگار ہے۔ اور راوی کی شاہی نہر بھی انہیں نے کھدوائی تھی۔ اس کے علاوہ ضلع کرنال میں دریائے جمنا سے ایک بڑی نہر بھی لائے تھے۔ نواب ممدوح پہلے تو شاہِ ایران کی طرف سے قلعۂ قندھار کے صوبہ دار تھے۔ لیکن شاہجہان کے وقت میں جب مُغلیہ فوج نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ تو انہوں نے اطاعت کر کے مُغلیہ دربار کی ملازمت منظور کر لی۔ اور ہفت ہزاری منصب اور تیس لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ تک پہنچ گئے۔ ان کا مقبرہ درس میاں وڈا کے قریب لاہور کے باہر اب تک موجود ہے +

تعمیرات شاہجہانی شاہجہان نے قلعۂ لاہور کی درستی اور عمارات و باغات کی تعمیر پر پچاس لاکھ روپیہ صرف کیا تھا۔ جو اس زمانے میں اتنی بڑی رقم تھی کہ اتنی ہی رقم سے شاہجہان آباد (دہلی) نیا تعمیر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ۱۶۴۳ء میں شالامار باغ کشمیر کی طرز پر خلیل اللہ کے زیر اہتمام چھ لاکھ روپے کی لاگت سے لاہور کا شالامار باغ بنوایا۔ جس میں دو لاکھ روپیہ لگا کر مادھوپور سے نواب علی مردان نے ایک نہر پہنچائی۔ یہ

نہر بل کھاتی ہوئی آئی تھی - اس لئے ہنسلی مشہور ہو گئی - یہ باغ عجیب صنعت کا نمونہ ہے - اور اب اس میں مدت دراز سے ہر سال مارچ کے آخری اتوار کی رات چراغاں ہو کر دن کو ایک عظیم الشان میلہ لگا کرتا ہے +

شاہجہان کو تعمیرات کا اس قدر شوق تھا کہ آٹھ لاکھ روپیہ لگا کر لاہور سے کشمیر تک ہر پڑاؤ پر سرائیں اور طویلے بھی اسی نے تعمیر کرائے۔ ایسی ہی بہت سی اور بھی عمارتیں ہیں۔غرض شاہجہاں کے زمانے میں پنجاب امن اور رونق کا گھر بنا رہا۔ اس بادشاہ کے عہد میں پنجاب و ملتان کی آمدنی تین کروڑ روپیہ سالانہ تھی +

عہدِ عالمگیری شاہجہان کے چار بیٹے تھے -(۱) دارا شکوہ (۲) شجاع (۳) اورنگ زیب (۴) مراد بخش- ان میں اورنگ زیب سب سے زیادہ ذہین- تجربہ کار اور بہادر تھا- اور اپنے فرائض خوب سمجھتا تھا۔ دارا شکوہ تو باپ کے پاس موجود رہتا- اور باقی تینوں ہندوستان کے مختلف صوبوں پر گورنری کیا کرتے۔ ۱۶۵۸ء میں شاہجہاں بیمار ہؤا- تو دارا شکوہ نے اس خیال سے کہ باپ کے مرنے پر بھائی بغاوت نہ کریں - سب کو شاہی فرمان بھجوا کر

آگرے بُلوا لیا۔ لیکن دل میں چور تھا۔ اس لئے
پیش بندی کر کے ایک بڑا لشکر راہ میں مقرر کر
دیا کہ اگر بھائی تنہا آئیں۔ تو آنے دو۔ اور فوج
ساتھ لائیں۔ تو وہیں جنگ چھیڑ کر فیصلہ کر دو۔
اورنگ زیب بھی سمجھ گیا کہ ہم گئے۔ تو جاتے ہی
نظر بند ہو جائینگے۔ اس لئے اس نے پہلے تو
شجاع اور مراد کو آپس میں لڑا دیا۔ اور شجاع کی
شکست کے بعد مُراد سے ساز باز کر کے آگرے کا
رُخ کیا۔ جس کے راستے ہی میں شاہی فوج نے
مزاحم ہو کر جنگ چھیڑ دی۔ اس عرصے میں شاہجہان
تندرست ہو چکا تھا۔ یہ حالات سُن کر اس نے
چاہا کہ خود جا کر بیٹوں کو سمجھا بجھا دے۔ مگر دارا
شکوہ نے باپ کو جانے سے روک کر لڑائی جاری
رکھی۔ آخر ساموگڑھ متصل آگرہ پر ایک ہی
باپ کے بیٹوں میں اس زور شور سے لڑائی ہوئی۔
جیسے دشمنوں میں ہوا کرتی ہے۔ مگر اورنگ زیب
اور مُراد تو کامیاب رہے۔ دارا شکوہ شکست کھا
کر پنجاب کی طرف بھاگتا پھرا۔ کہ اب اُسے
باپ کو منہ دکھاتے بھی شرم آتی تھی۔ کیونکہ وہ
اُسے لڑائی سے بارہا روک چکا تھا۔ عالمگیر نے
آگرہ پر قبضہ کر کے باپ کو بھی نظر بند کر لیا۔

اور خود بھائی کے تعاقب میں پنجاب آیا۔ مگر دارا نے اس کے پہنچنے سے پہلے خزانۂ لاہور سے ایک کروڑ روپیہ نقد اور بعض مقامی سرداروں اور رئیسوں سے فوجی مدد لے کر دوبارہ ایک لشکر تیار کر لیا۔ لیکن پھر بھی لڑائی کی ہمت نہ پڑی۔ اورنگ زیب کے آتے ہی چپکے سے بھکر کو نکل گیا۔ اورنگ زیب بھی اس کے پیچھے ملتان اور بھکر پہنچا۔ مگر دارا وہاں سے بھی بھاگ گیا۔ تھوڑے دنوں بعد ایک لڑائی ہوئی۔ مگر اس میں بھی دارا ہی کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو کر قتل ہؤا۔ اس سے پہلے مراد کا بھی فیصلہ ہو چکا تھا۔ آخر ۱۶۶۶ء میں آٹھ سال کی نظر بندی کے بعد شاہجہان بھی انتقال کر گیا۔ اور اورنگ زیب مستقل شہنشاہ ہند بن گیا +

اورنگ زیب اپنے پنجاہ سالہ عہدِ حکومت میں اکثر دکن اور وسطِ ہند کی مہمات میں مصروف رہا۔ پنجاب میں نہ کوئی بدامنی ہوئی۔ نہ اس نے کبھی آرام کے خیال سے یہاں مقام کیا۔ پھر بھی جامع مسجد لاہور اس کی یادگار ہے۔ اس مسجد پر جو سُرخ پتھر صرف ہؤا ہے۔ وہ دارا شکوہ نے خانقاہِ میانمیر صاحبؒ سے دہلی دروازے تک دو رویہ بازار بنانے کے لئے منگا رکھا تھا۔

عالمگیر نے اس تعمیر کو غیر ضروری سمجھ کر امیا نمیر صاحبؒ کا مقبرہ تو بنوا دیا۔ اور باقی مصالح سے شاہی مسجد تیار کرا دی +

عالمگیر ایک ضابطہ پسند بادشاہ تھا۔ مؤرخوں میں اکثر اُسے متعصب اور بعض بے تعصب سمجھتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ ہر قوم د ہر شخص اور ہر اہلکار کو مناسب حد سے بڑھنے نہ دیتا تھا۔ اور اسی بات سے لوگ کانپتے رہتے۔ اور تو اور وہ خاص اپنے بیٹوں کو اس سختی سے ٹوکتا رہتا تھا کہ بچارے خط دیکھتے ہی زرد پڑ جاتے تھے۔ ایک لڑکے کو خط لکھتا ہے "تمہارے مظلوم بے شمار اور شکر گزار کم ہیں۔ یا تو پیاسوں کو شربت پلاؤ۔ یا مسندِ حکومت سے اُٹھ جاؤ" دوسری جگہ لکھتا ہے "ہماری حکومت میں جو شخص بھی کسی پر ظلم کرے۔ اس کی باز پُرس ہم سے کی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر جنگل میں دریا کے کنارے کوئی گڈریا اپنی بھیڑوں کو بے وجہ ستاتا ہو۔ تو وہ سختی بھی ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی جائیگی +

اورنگ زیب نے پچاس سال حکومت کی۔ اور اس عرصے میں سلطنت مُغلیہ کو عُروجِ کمال

پر پہنچا دیا۔ اس نے دکن میں بمقام اورنگ آباد انتقال کیا۔ جہاں اس کی کچی قبر اب تک موجود ہے۔ چار دیواری تو درست ہو گئی ہے۔ مگر وصیت کے مطابق پکی قبر نہیں بنائی گئی۔

۱۷۰۷ء میں اس کے مرتے ہی زوال شروع ہو گیا۔ خاندانِ مغلیہ کے ابتدائی دو سو سال میں یہی چھ نامور بادشاہ گزرے ہیں۔ جن میں بابر اور ہمایوں تو بنیاد رکھنے والے تھے۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کمال پر پہنچانے والے۔

شاہ عالم اورنگ زیب کے مرنے پر اس کا ولی عہد محمد معظم کابل میں تھا۔ اس لئے دوسرے بیٹے محمد اعظم کو موقع مل گیا۔ اور اس نے آگرہ میں فوراً تخت و تاجِ شاہی خود سنبھال لیا۔ محمد معظم کابل سے فوج لے کر آیا۔ اور دونوں بھائیوں میں پہلے کرنال اور پھر آگرہ کے قریب سخت لڑائیاں ہوئیں۔ آخر محمد اعظم کا خاتمہ ہو گیا۔ اور محمد معظم "شاہ عالم" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ جس نے چند دنوں بعد چھوٹے بھائی کام بخش کا بھی فیصلہ کر دیا۔

شاہ عالم کے دور دراز مہموں میں مصروف

رہنے سے دلیر ہو کر پنجاب کے سکھ بہت زور پکڑ گئے تھے۔ (آئندہ صفحوں میں اس کا مفصّل ذکر سکھوں کی تاریخ میں کیا جائیگا) اس لئے وہ ۱۷۱۲ء میں ان کی سرکوبی کے لئے خود لاہور آیا۔ اور امن قائم کرنے کو یہیں مقیم تھا کہ موت نے آلیا۔ لاہور کا شاہ عالمی دروازہ اسی کی یادگار ہے۔ اس کے بعد میراثِ شاہجہانی کے موافق اس کے بیٹوں میں بھی تلوار چلی۔ اور آخرکار ایک سال کے اندر سب کے سب کٹ مرے۔ اور فرّخ سیر نے آکر تخت و تاج سنبھال لیا ✣

فرّخ سیر یہ ۱۷۱۳ء سے ۱۷۱۷ء تک پانچ سال حکمران رہا۔ اس کی مسند نشینی کے وقت پنجاب کی حالت بہت خراب تھی۔ اس لئے اُس نے سکھوں کی سزا کے لئے نواب عبد الصّمد خاں دلیر جنگ کو پنجاب کا سپہ سالار اور صوبہ دار مقرّر کیا۔ جس نے یہاں پہنچ کر دلیری سے کل فتنہ و فساد دُور کرنے کے بعد دوبارہ امن قائم کر دیا۔ اس زمانے میں بادشاہ سے کٹ پُتلی کا کام لیا جاتا تھا۔ دہلی میں سیّد حُسین علی و سیّد عبداللہ ساداتِ بارہہ بادشاہ گر بنے ہوئے تھے۔ جنہوں نے پہلے فرّخ سیر کو۔ پھر

رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کو تھوڑے تھوڑے دنوں تخت کی ہوا کھلا کر موت کا پیالہ پلایا۔ اور ۱۷۲۰ء میں محمد شاہ رنگیلے کو تختِ شاہی پر بٹھایا +

محمد شاہی زمانہ

محمد شاہ ایک لائق نوجوان تھا۔ جسے پہلے شاہانِ شطرنج کے حالات نے اور بھی چوکنّا کر دیا تھا۔ اس نے پہلے تو حکمتِ عملی کے ساتھ ان دونوں بادشاہ گر وزیروں کا خاتمہ کرایا۔ پھر انتظامِ سلطنت پر متوجہ ہوا۔ امیروں وزیروں نے اُسے اُمید کے خلاف چلتا پُرزہ دیکھا۔ تو شراب و کباب کی چاٹ لگا دی۔ اور یہ منتر ایسا کارگر ہوا کہ آپ محمد شاہ رنگیلے مشہور ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ دربار میں رنڈی بھڑووں کے سوا کوئی کام کا آدمی بمشکل نظر آنے لگا۔ یہ حالات دیکھ کر وسطِ ہند میں مرہٹوں نے زور کیا۔ دکن نظام الملک نے لے لیا۔ بنگال و راجپوتانہ کے صوبے الگ خودسر ہونے شروع ہوئے۔ اور ان سب پر ایک نئی آفت یہ آئی کہ نادر شاہ دُرّانی اور احمد شاہ ابدالی نے پے در پے حملوں سے سلطنت کی بیخ و بنیاد اُکھاڑ

کر رکھ دی +

نادر شاہی حملہ

نادر پہلے تو ایران کا ایک معمولی باشندہ تھا۔ مگر جنگی قوت بڑھا کر رفتہ رفتہ اتنا زبردست بادشاہ بن گیا کہ اس کے نام سے دہشت آتی تھی۔ جب اس نے سلطنت ہند کی کمزوریوں اور بادشاہ کی عیش پرستیوں کے قصے سنے۔ تو ۱۷۳۹ء میں بے دھڑک درۂ خیبر کے راستے افغانستان سے پنجاب میں آ داخل ہؤا۔ پنجاب کی گورنری پر اُن دنوں عبد الصمد خاں دلیر جنگ کا بیٹا خان بہادر خاں مقرر تھا۔ اس نے نادر کے اٹک عبور کرتے ہی دربار محمد شاہی میں امداد کے لئے درخواست کی۔ اور خود لاہور سے نکل نادر کے روکنے کو جہلم کی طرف روانہ ہؤا۔ مگر وہ تو آندھی کی طرح آ رہا تھا۔ اس کے پہنچتے پہنچتے جہلم بلکہ چناب کو بھی عبور کر آیا۔ پھر بھی نواب نے وزیرآباد پر جا روکا۔ جنگ تو زبردست ہوئی۔ مگر نادر ہی غالب رہا۔ اور نواب نے واپس آ کر یہاں شاہدرہ لاہور کے پرے میدان قائم کر دیا۔ جہاں پھر تین روز تک متواتر لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن آخر کار اُس میں بھی نادر شاہ ہی فتح مند رہا۔ جس کے بعد نادر شاہ دُرانی نے دریائے راوی کو پایاب عبور

کر کے شالا مار باغ میں آ ڈیرہ لگایا۔ خان بہادر خاں ہر روز دہلی میں عرضی پر عرضی بھیجتا رہا۔ مگر وہاں کچھ بھی شنوائی نہ ہوئی۔ ناچار غریب نے بیس لاکھ روپیہ نقد اور چند ہاتھی گھوڑے دے کر جان چھڑائی۔ اور نادر نے دہلی کا رُخ کیا۔ اِدھر سے محمد شاہی فوج بھی سرو سامان سے پنجاب کے مشہور میدانِ جنگ پانی پت پر آ کر مقابل ہوئی۔ مگر لشکرِ نادری کے سامنے کچھ نہ کر سکی۔ صُلح کے نامہ و پیام شروع ہوئے۔ نو کروڑ روپے نقد اور کچھ ہاتھی گھوڑوں پر معاملہ طے ہو گیا۔ اور نادر شاہ بطور مہمان محمد شاہ کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا ۔

دہلی کا قتل عام اور لوٹ

نادر شاہ فوج سمیت دہلی کی دعوتیں اُڑا رہا تھا کہ کسی طرح اس کے قتل ہو جانے کی غلط افواہ مشہور ہو گئی۔ اسی بنا پر لوگوں نے نادری سپاہیوں پر کچھ دست درازی بھی شروع کر دی۔ نادر کو خبر ہوئی۔ تو خُود ہاتھی پر سوار شہر کی گشت کو نکلا کہ لوگ اُسے اپنی آنکھوں صحیح سلامت دیکھ لیں۔ مگر بعض بگڑے دلوں نے اب بھی اس پر اینٹیں پھینکیں۔ جن سے نادر کے بازو بھی زخمی ہو گئے۔ پھر تو غضب ہو گیا۔ اس نے دہلی میں قتلِ عام کا حکم دے دیا ۔

جس میں ہزاروں آدمی گاجر مولی کی طرح کٹ گئے۔ آخر محمد شاہ اور نظام الملک کی سفارش سے قتلِ عام بند ہؤا۔ اس سختی کے ساتھ اس کی فوج کی یہ فرمانبرداری بھی تعریف کے لائق ہے کہ جس نے جہاں اور جس حالت میں امان کا حکم سُنا۔ وہیں ہاتھ روک لیا۔ غرض جب دہلی کی صفائی ہو چکی۔ تو اس نے چھ کروڑ روپے کی لاگت کا تختِ طاؤس۔ کوہِ نُور اور دریائے نُور دو انتخابِ روزگار ہیرے۔ دو کروڑ روپے کے دوسرے جواہرات اور خاصے کے عمدہ عمدہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ لے لوا کر ایران کی راہ لی۔ اور ۱۷۴۷ء میں وہیں ایک جنگ میں مارا بھی گیا +

حملہ نادری کے بعد ہندوستان و پنجاب کی حالت

جب نادری حملے نے سلطنت مغلیہ کی دولت و حشمت اور جاہ و جلال کا رہا سہا وقار بھی خاک میں ملا دیا۔ تو جو صوبہ دار ابھی تک مطیع تھے۔ وہ بھی خود مختار ہونے لگے +

سکھوں نے پنجاب کا میدان خالی پایا۔ تو پٹیالہ۔ نابھ اور جیند کی ریاستوں کی بنیاد رکھ دی۔ سندھ و ملتان کے علاقوں پر داؤد خاں عباسی نے قبضہ جمایا۔ تو مظفر گڑھ کی طرف ناہر خاندان اور پھر مخدوم

خانوادے حکومت کرنے لگے۔ جھنگ پر سیال خاندان کا قبضہ ہو گیا۔ تو ستلج سے پرے جھجر۔ سندیلہ اور لوہارو کی ریاستیں قائم ہو گئیں +

اُسی زمانے میں نواب خان بہادر صوبہ دار پنجاب کا انتقال ہو کر اس کے بیٹوں میں بھی تلوار چلی۔ یعنی یحییٰ خاں گورنرِ لاہور پر چھوٹے بھائی شاہنواز نے حملہ کر دیا۔ اور فتح پا کر لاہور و ملتان کا حاکم بن بیٹھا۔ شکست کھانے کے بعد یحییٰ خاں دہلی بھاگ گیا تھا۔ اس لئے شاہنواز کو کھٹکا ہؤا کہ اس کی داد فریاد پر دربارِ دہلی میری خود سری کی سزا نہ دے۔ چنانچہ اس نے شاہی دار و گیر سے بچنے کے لئے مرزا آدینہ بیگ ناظم دوآبہ کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی کو دہلی پر حملہ کرنے کی دعوت دی +

احمد شاہ ابدالی کا پہلا حملہ احمد شاہ ابدالی نادر شاہی جرنیلوں میں ایک نڈر اور بہادر سپہ سالار تھا۔ نادر کے بعد اتفاق رائے سے اس کا جانشین قرار پایا۔ چونکہ ہندوستان و پنجاب کی دولت اپنی آنکھوں دیکھے ہوئے تھا۔ اس لئے شاہ نواز کی طلبی پر ۱۷۴۷ء میں فوراً پنجاب کی طرف بڑھ آیا۔ اور دریائے سندھ کو عبور کر کے سیدھا قلعۂ رہتاس میں آ ڈیرا جمایا۔ اُسے شاہ نواز کی امداد کا پورا یقین تھا۔

مگر متلون مزاج شاہ نواز اس کے آتے آتے اپنی رائے بدل کر سلطنتِ دہلی کا خیر خواہ بن چکا تھا۔ جس نے کوئی بھی تحفہ و ہدیہ یا پیغام و سلام نہ بھیجا۔ ناچار احمد شاہ ابدالی نے اپنے مُرشد زادہ سید صابر شاہ کو اس کے رُو برُو کرنے کے لئے لاہور بھیجا۔ جنہیں پہلے تو شاہنواز نے صاف جواب دیا۔ اور جب انہوں نے زیادہ شرمندہ کیا۔ تو اس نے کھسیانا ہو کر ان کی گردن اُڑا دی۔ جس سے احمد شاہ ابدالی کا غصہ اور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور وہ رہتاس سے چل کر سیدھا لاہور آ گیا۔ شاہنواز نے پہلے تو شہر کے باہر مقابلہ کیا۔ مگر آخر شکست کھا کر دہلی بھاگنا پڑا۔ جس کے بعد پہلے تو ابدالی فوج نے مغل پورہ کو جو شہر کے باہر اُمرائے دربار کا ایک دولتمند محلہ تھا۔ لُوٹ کر مسمار کر دیا۔ پھر شہر اور قلعہ کی صفائی کر کے دہلی کی طرف کوچ بول دیا۔ جہاں سے اس کے مقابلے کو محمد شاہ رنگیلے نے اپنے ولیعہد شہزادہ احمد شاہ اور وزیر قمرُالدین خاں کو بہت بڑی فوج کے ساتھ سرہند روانہ کیا۔ اگرچہ شاہ ابدالی شاہنواز کی اُمید پر کچھ زیادہ لاؤ لشکر ساتھ نہ لایا تھا۔ مگر پھر بھی دس دن تک خوب لڑتا رہا۔ اس لڑائی میں قمرُالدین خاں

وزیر تو مارا گیا۔ لیکن ولیعہد کی بہادری سے دہلی کی فوج نے ابدالی لشکر کا منہ پھیر دیا۔ اور شاہ ابدالی کو شکست کھا کر واپس جانا پڑا +

میر منّو کا حکومتِ پنجاب پر مقرر ہونا اس کے بعد دربارِ دہلی کی طرف سے حکومتِ پنجاب پر میر معینُ الملک عُرف میر منّوُ ایک لائق شخص کو بھیجا گیا۔ جس نے یہاں کے بگڑے ہوئے انتظام اور سکھوں کی روک تھام میں بڑا نام پایا۔ اس وقت مرزا آدینہ بیگ تو بدستور ناظمِ دوآبہ بست جالندھر رہا۔ اور دیوان کوڑا مل پنجاب کا دیوانِ مال اور نواب کا وزیرِ اعظم قرار پایا +

شاہ ابدالی کا پنجاب پر دوسرا حملہ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کے انتقال پر احمد شاہ نے تختِ دہلی پر قدم رکھا۔ تو اس کی کارگزاری اور بہادری بھی عیش و عشرت کی نذر ہو گئی۔ اور احمد شاہ ابدالی پھر پنجاب میں آموجُود ہُوا۔ میر منّوُ نے دربار میں بیسیوں عرضیاں لکھیں۔ مگر وہاں کَون سُنتا تھا؟ مجبُوراً اس نے شاہ ابدالی سے صُلح و صفائی کی گفتگوُ شرُوع کی۔ اور قرار پایا کہ پنجاب کے چار ضلعوں کی آمدنی سالانہ بطور خراج بھیجی جائے۔ اور صُوبہ پنجاب کابل کا ماتحت سمجھا جائے +

میر منّو نے ابدالی لشکر کو رخصت کیا۔ تو ایک اور جھمیلا شروع ہو گیا۔ یعنی دربارِ دہلی نے میر منّو کی جگہ شاہنواز خاں کو پنجاب کا گورنر بنا دیا۔ میر منّو تو دربار کے زور کو توڑے ہوئے تھا۔ اس نے اس حکم کی پرواہ تک نہ کی۔ لاہور اور ملتان اس وقت پنجاب کے صدر مقام سمجھے جاتے تھے۔ لاہور میں تو میر صاحب خود موجود تھے۔ ملتان میں انہوں نے ایک لشکر کے ساتھ دیوان کوڑا مل کو بھیج دیا۔ چنانچہ شاہ نواز ملتان گیا۔ اور جنگ میں وہیں کوڑا مل کے ہاتھوں مارا گیا ÷

شاہ ابدالی کا تیسری دفعہ پنجاب آنا

میر منّو نے دربارِ دہلی کا طوقِ غلامی اُتارنے کے بعد شاہ ابدالی کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ تو ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے پھر لاہور آ کر شالا مار باغ میں قیام کیا۔ میر صاحب میں لڑنے کی تو طاقت نہ تھی۔ اُنہوں نے شہر کی قلعہ بندی کر کے دروازے بند کرا دئے۔ مگر ان کچی تدبیروں سے کیا ہو سکتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی مزے سے اپنی سب ضرورتیں دیہات سے پوری کرتا رہا۔ چار مہینے میں شہر والوں کی رسد ختم ہو گئی۔ تو ناچار میر صاحب کو بھی شہر سے باہر نکل کر لڑنا اور شکست کھا کر صلح و صفائی کا

پیام دینا پڑا۔ آخر پچاس ہزار روپے نقد اور چند ہاتھی گھوڑوں پر صُلح کا سودا چُک گیا۔ اور شاہ ابدالی نے کامیابی سے افغانستان کی راہ لی +

لطیفہ صُلح و صفائی کے بعد جب میر منّو شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو شاہ نے عزت کے ساتھ بٹھانے کے بعد پُوچھا "میر صاحب! آپ ہمارے پہنچنے پر پہلے ہی کیوں حاضر نہ ہو گئے"؟ میر صاحب نے جواب دیا "اس لئے کہ میرا ایک اَور آقا بھی ہے۔ جس کی اجازت کے بغیر آنا مناسب نہ تھا" شاہ نے کہا۔ اگر کوئی دوسرا آقا تھا۔ تو اس نے اب آپ کی اِمداد کیوں نہ کی؟ میر صاحب نے کہا "غالباً اُسے اُمید تھی کہ اس کی اِمداد کے بغیر ہی مَیں آپ سے نپٹ لُونگا" شاہ نے کہا۔ " اگر بالفرض آپ کامیاب ہو جاتے۔ تو ہم سے کیا سلوک کرتے"؟ میر صاحب نے کہا "آپ کو ایک آہنی پنجرے میں بٹھا کر دہلی بھیج دیتا۔ وہاں پہنچنے پر بادشاہ سلامت جو سلُوک آپ سے مُناسب سمجھتے۔ کرتے"۔ شاہ نے کہا "اب تو خدا نے مجھے فتحمند کر دیا ہے۔ فرمائیے۔ مجھے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے" میر صاحب نے جواب دیا "اگر آپ قصائی ہیں۔ تو قتل کر دیجئے۔

سوداگر ہیں تو بیچ دیجئے - اور بادشاہ ہیں۔ تو معاف فرما دیجئے "۔ میر صاحب کی یہ حاضر جوابی اور مستقل مزاجی شاہ کو اتنی پسند آئی کہ سوا لاکھ کا خلعت مع ایک جڑاؤ تلوار کے دے کر اپنی طرف سے پنجاب کی صوبہ داری دوبارہ عنایت فرما دی +

مراد بیگم والی لاہور

اس کے دو سال بعد میر منّو قصور میں گھوڑے سے گر کر اِنتقال کر گئے اور پنجاب کی حکومت پر اُن کی بیوہ مُراد بیگم کام کرنے لگی - چُونکہ بیگم بھی خاوند کی طرح جابر تھی - اس لئے اکثر اہل کاروں نے بے دِل ہو کر اُس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جس پر بیگم نے شاہِ ابدالی کو اِمداد کے لئے لکھا- اور اس نے اپنے ایک معتبر جہان خاں کو اس کی نیابت میں بھیج دیا۔ مگر وہ اُس کی سخت گیری سے دل تنگ واپس چلا گیا- اس کے بعد نظام الملک کا پوتا غازی الدّین خاں وزیر دہلی اُسے معزول کرنے کو پنجاب آیا- تو بیگم نے اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا- اور وہ سید جمیل الدّین کو بیگم کی نیابت میں مقرر کر کے دہلی چلا گیا- لیکن بیگم نے بگڑ کر اُسے بھی واپس

بھیج دیا۔ اور دربارِ دہلی کی باز پُرس کے ڈر سے شاہِ ابدالی کو پھر ایک دفعہ حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ جس سے واقف ہو کر دربارِ دہلی نے مراد بیگم کو سوتے ہوئے دہلی اُٹھوا منگایا۔ اور مرزا آدینہ بیگ ناظمِ دوآبہ کو صُوبہ دار پنجاب مقرر کر دیا +

شاہ ابدالی کا پنجاب پر چوتھا حملہ

شاہ ابدالی کو مراد بیگم کی گرفتاری کا حال معلوم ہُوا۔ تو وہ کابل سے روانہ ہو کر ۱۷۵۶ء کے اوائل میں لاہور آ پہنچا۔ مرزا آدینہ بیگ میں مُقابلے کی تاب کہاں تھی؟ وہ تو کوہستانِ کانگڑہ میں جا چھُپا۔ اور احمد شاہ نے لاہور کا نقد و جنس سنبھال کر دہلی کی راہ لی۔ وہاں بھی کسی کو لڑنے کی سکت نہ رہی تھی۔ وزیر نے بوڑھی ساس کو سفارشی بنا کر بیس میل اِدھر تک استقبال کیا۔ اور شاہ کو آرام و آسائش کے ساتھ دہلی لے گیا۔ جہاں پہلے تو شاہی گھرانے میں اس نے اپنے بیٹے کی شادی رچائی۔ اور اس اثنا میں ہمراہی فوج دو مہینے تک خوب دل کھول کر دہلی کو لُوٹتی رہی۔ چلتے ہُوئے نجیبُ الدّولہ روہیلہ اور غازی الدّین وزیر دونوں کو دہلی کا انتظام سونپ

کر پنجاب کی حکومت پر اپنے بیٹے تیمور شاہ کو مقرر کر دیا +

شاہ ابدالی کو پنجاب سے گئے ہوئے ایک ہی مہینہ ہؤا تھا کہ سکھوں نے تیمور شاہ زمان پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے چلے جانے پر جستا کلال نے لاہور پر قبضہ جما لیا۔ مرہٹے اس وقت زوروں پر تھے۔ اب مرزا آدینہ بیگ نے ہر طرف سے مایوس ہو کر رگھوناتھ مرہٹہ پیشوا کو پنجاب آنے کی ترغیب دی۔ اور مئی ۱۷۵۶ء میں تین لاکھ مرہٹہ لشکر لاہور بُلا لیا۔ جسے دیکھ کر سکھ تو کوہستانی علاقے میں جا داخل ہوئے۔ اور آدینہ بیگ نے پچھتر لاکھ روپے سالانہ خراج پر حکومتِ پنجاب کا ٹھیکہ لے لیا۔ مرہٹوں کی طرف سے جو سند اس کو عطا ہوئی تھی۔ اس میں اٹک سے ملتان تک کا تمام علاقہ اُس کے زیر حکومت کر دیا گیا تھا۔ مگر مرزا کو موت نے حکومت کا لُطف اُٹھانے کی مُہلت نہ دی۔ ضلع گورداسپور میں اس نے اپنے نام پر آدینہ نگر ایک پُختہ قصبہ آباد کیا تھا۔ جو اب دینا نگر کے نام سے مشہور ہے۔ گوجرانوالہ میں موت آئی۔ اور وہیں قبر بنی۔ مرزا کے مرنے پر مرہٹوں نے پنجاب کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ حکومت

لاہور پر پُرساما مرہٹہ مُقرر ہوُا۔ سرہند کی حکوُمت صدیق بیگ کو دی گئی۔ اور دوآبہ مرزا آدینہ بیگ کی بیوہ کو عطا کیا گیا +

شاہ ابدالی کا پانچواں حملہ

۱۷۵۹ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے یہ ابتری دیکھی۔ تو پھر پنجاب آیا۔ صدیق بیگ اور آدینہ بیگ کی بیوہ تو اس کے آتے ہی رُوپوش ہو گئے۔ پُرساما بھی ایک معمولی جھنجوڑ کے بعد سرہند جا پہنچا۔ اور مرہٹوں کی دو لاکھ فوج شاہ ابدالی کے مقابلے کو جمع ہو گئی۔ جس سے معرکہ آرا ہونے کے لئے وہ لاہور سے سرہند پہنچا۔ اور اس زور سے لڑا کہ مرہٹوں کے دو لاکھ جوانوں میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ جس کے بعد اُس نے زین خاں کو حاکم سرہند اور بلند خاں کو والی لاہور بنا کر بدستور کابل کی راہ لی +

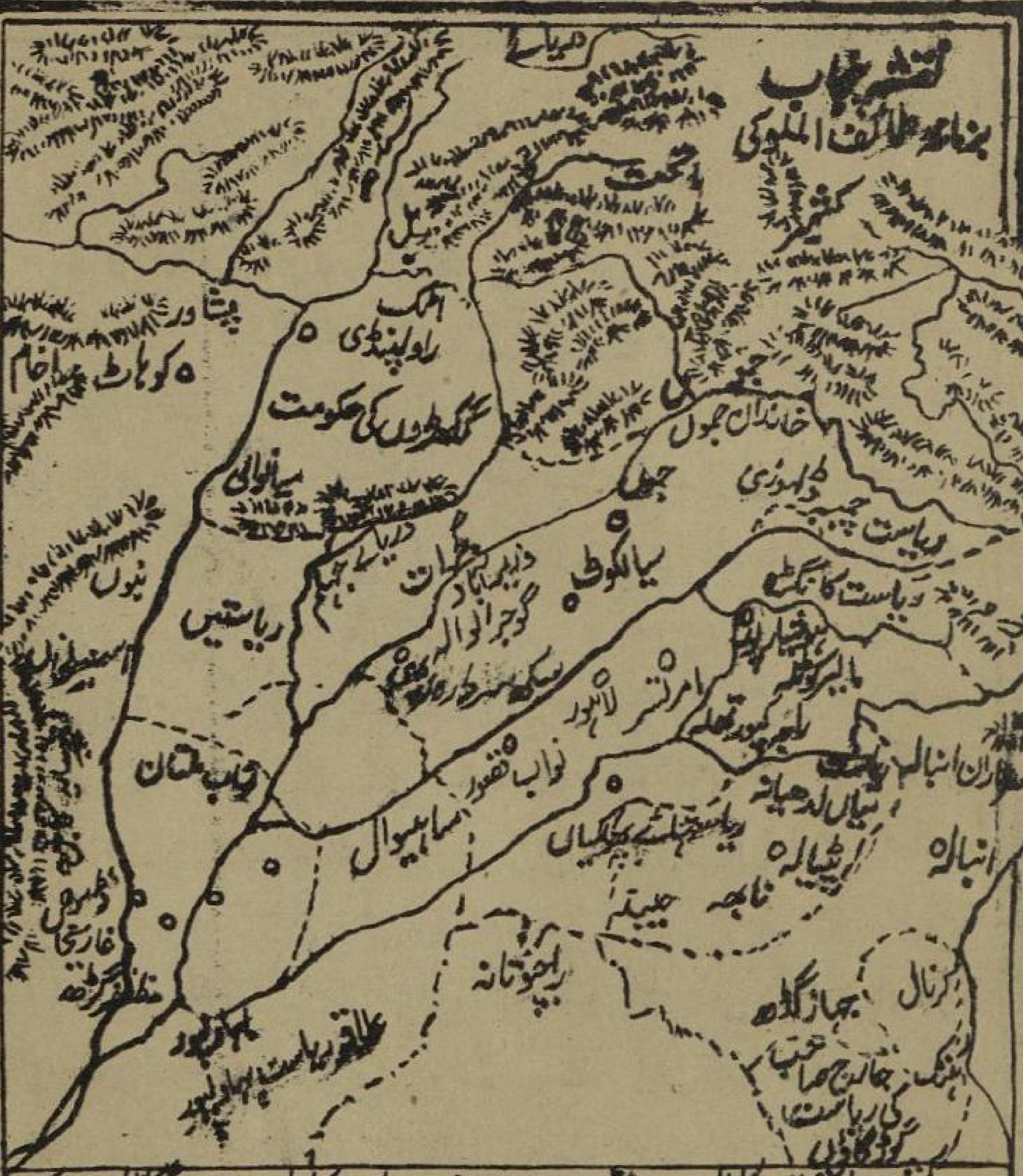
شاہ ابدالی کے بعد پنجاب کی حالت

ظاہر ہے کہ شاہ ابدالی کے حملے اس ملک پر حکومت کرنے کی غرض سے نہ تھے۔ بلکہ وہ صرف نذرانہ وصول کرنا ہی اپنا کام سمجھتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوُا۔ کہ ملک پر سے دربارِ دہلی کا اقتدار بھی کم ہو گیا۔ اور اُس نے بھی کچھ انتظام نہ کیا۔ اس لئے خاص دہلی کے قریب بھی جمنا سے اس طرف ایسی

ہی کیفیت ہو گئی تھی - جہاں جھجر اور جہاز گڑھ[1] وغیرہ ریاستیں قائم ہو گئیں - جھجر میں نوابی تھی- جس کا خاتمہ نواب کے غدر میں شریک ہونے کے باعث ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھ سے پھانسی پانے پر ہوُا - اور جہاز گڑھ کی ریاست کا بانی جارج ایک یورپین تھا - جس نے پہلے صرف دو سو فوجی آدمیوں کی جمعیت سے فتوحات شروع کیں - اور بڑھتے بڑھتے آٹھ سو گاؤں کی ریاست بنا بیٹھا - لیکن چند دنوں بعد مرہٹوں کے ہاتھ سے اس کا بھی فیصلہ ہو گیا - جارج انگریز تھا - اور پہلے پہلے دہلی میں شمرو کی بیگم کے ہاں معمولی سی فوجی افسری پر مقرر ہوُا تھا - اس کے کام سے خوش ہو کر بیگم نے اپنی خواصوں میں سے ایک کے ساتھ اُس کی شادی کر دی تھی - جس کے بعد بھی جارج تو بدستور عیسائی تھا - اور بیگم مسلمان - اس تمام زمانے میں سرکاری دفتروں کی زبان فارسی تھی - جو سکھوں کے عہد تک برابر قائم رہی - مگر لکھے پڑھے لوگ کم تھے +

---

[1] اس کا نام اصل میں جارج گڑھ تھا - لوگوں نے جہاز گڑھ مشہور کر دیا +



کشمیر ماتحت کابل (۲) ڈیرہ جات زیر سایہ کابل (۳) گکھڑوں کی حکومت (۴) راجگان راجور (۵) خاندان جموال (٦) ریاست چمبہ۔ (۷) ریاست کانگڑہ (۸) راجۂ کپورتھلہ (۹) رایان لدھیانہ (۱۰) ریاست کرنال (۱۱) ریاست مالیر کوٹلہ (۱۲) ریاستہائے پھولکیاں (۱۳) ریاست جہاز گڑھ (۱۴) ریاست جھجر (۱۵) نواب بہاولپور۔ (۱٦) نواب ملتان (۱۷) نواب جھنگ (۱۸) سکھ سرداروں کی ریاستیں۔

سکھوں کی تاریخ

تم پڑھ چکے ہو کہ پنجاب پر ہمیشہ بیرونی حملہ آور ہی حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ پنجابیوں میں صرف سکھوں ہی کی وہ قوم ہے۔ جو یہیں پیدا ہوئی۔ اور لگاتار جدّ و جہد سے حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ ان کے حالات مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم ہیں۔

(۱) سکھ گروؤں کے مختصر حالات جنہیں سکھ "سچے بادشاہ" کے نام سے پُکارتے ہیں۔ یہ ۱۴۶۹ء سے ۱۷۰۰ء تک دو سو تین سال میں دس ہوئے ہیں۔

(۲) "سکھوں کی بارہ مثلوں کا حال"۔ جو پنجاب کی طوائف الملوکی کے زمانے میں یہاں کے چھوٹے چھوٹے علاقوں پر تقریباً ساٹھ سال تک خوُد مختار حکومت کرتی رہیں۔

(۳) "ہر بز پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُن کے جانشینوں کا زمانہ"۔ جس میں ۱۷۹۶ء سے ۱۸۴۹ء تک چھپن سال تمام پنجاب ایک ہی خاندان کی حکومت میں رہا۔

سکھ گروؤں کے مختصر حالات

پہلی سچی بادشاہی گرو نانک صاحب

بہلول لودھی کے زمانۂ حکومت (سنہ ۱۴۶۹ء) میں کالو رام صاحب کھتری بیدی کے گھر موضع ننکانہ (جسے پہلے تلونڈی رائے بھومی کہتے تھے) تحصیل شرقپور ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابتدا سے چُپ چاپ سوچنے والی طبیعت رکھتے۔ خُدا کی لاانتہا قدرتوں کے گیان دھیان میں مگن رہتے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بڑے ہو کر مولا رام کھتری ساکن بٹالہ ضلع گورداسپور کی لڑکی سے بیاہے گئے۔ عوام النّاس کا رُوحانی اور اخلاقی تنزّل اُن کو ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ جن کی اصلاح کے لئے وہ ایک ایسے مذہب کے بانی ہوئے۔ جو خدا کی وحدانیّت کا قائل اور ذاتوں گوتوں کی تفریق اور بُت پرستی کی زنجیر سے آزاد تھا۔ اُن کے باپ نے پہلے اُنہیں تجارت پر لگایا۔ مگر آپ نے سب سرمایہ فقیروں کو دے ڈالا۔ جس کے بعد اُن کے بہنوئی جے رام نے جو کسی عُہدے پر دولت خاں لودھی جاگیردار سُلطان پور

کے ہاں ملازم تھا۔ اُنہیں بھی اُسی کی سرکار میں مودی کی خدمت دِلوا دی۔ لیکن اُن کی طبیعت کا وہی رنگ رہا۔ جو کوئی مُحتاج سوالی آ جاتا۔ وہ بے دھڑک سرکاری مودی خانے سے آٹا دال دے کر اس کی حاجت روائی کر دیتے۔ لوگوں کی شکایت پر دولت خاں نے چند بار حساب لیا۔ تو پاؤ سیر کا بھی فرق نہ نکلا۔ آخر اُنہوں نے نوکری سے استعفا دے کر صرف تلقینِ مذہب کے لیئے سیر و سفر اختیار کیا۔ سفر میں اُن کا ایک مسلمان معتقد مردانہ کلاونت بھی ساتھ تھا۔ مدّتوں پھر پھرا کر گرُو جی نے دریائے راوی کے کنارے ایک جگہ آ ڈیرہ جمایا۔ جو اُن کی وجہ سے ڈیرہ بابا نانک مشہور ہو گیا۔ اُن کی اولاد سے دو لڑکے ہری چند اور لکھشمی چند ہوئے۔ جن میں سے پہلا تو ساؤھو بن کر اُداسی فرقے کا بانی ہوُا۔ اور دوسرا دُنیا داری کے کاروبار سے گزرِ اوقات کرتا رہا۔ گرُو جی کے ہندو مسلمان دونوں معتقد تھے۔ ۱۵۳۸ء میں اُن کا انتقال ہوُا۔ تو دونوں مذہب والے اُنہیں اپنا اپنا ہم مذہب بتا کر دبانے اور جلانے پر جھگڑنے لگے۔ مگر جس چادر کے نیچے اُن کی لاش رکھی گئی۔ جب اُسے اُٹھا کر دیکھا گیا۔

تو چند پھُولوں کے سوا کچھ نہ تھا۔اُن کی یادگار میں ہر سال ننکانہ صاحب میں تین بار میلہ لگتا ہے۔اور اکثر مقامات پر گوُردوارے اور لنگر قائم ہیں +

اُن کے کلام میں وحدانیت اور اخلاق اس خوُبی سے بھرا ہے کہ اس نے مُردہ دلوں کے زندہ کرنے میں بہت بڑا کام کیا ہے +

دوسری سچّی بادشاہی انگد گرُو صاحب یہ صاحب تیہن ذات کے کھتری موضع متّے کی سرائے ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے۔اور ہر سال جوالا مکھی کے درشنوں کو جایا کرتے تھے۔ باوا نانک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو اُنہیں کے ہو رہے۔ اور انہوں نے ان کی رُوحانیّت اور خیالات کو دیکھ کر اولاد کے ہوتے ہوئے بھی اُنہیں کو اپنا جانشین بنایا۔ باوا نانک صاحب کے بعد اُنہوں نے دریائے بیاس کے کنارے موضع کھنڈور کو اپنا ڈیرہ بنایا۔ اور وہیں ۱۵۵۱ء میں انتقال ہوُا +

اُنہیں نے سب سے پہلے پنجابی زبان اور گوُرمکھی حروف میں گرو نانک صاحب کی سوانح عمری مُرتّب فرمائی۔ جس میں باوا صاحب کے شبد اور ان کی رُوحانی طاقت کا ذکر ہے +

تیسری پتی بادشاہی گرو امرداس یہ صاحب موضع باسر کے باشندے ذات کے بھلّے کھتری تھے۔ کسی بزرگ نے ان کا ہاتھ دیکھ کر کہ دیا تھا کہ "تمہاری قسمت میں بادشاہی لکھی ہے۔ ضرور ایک دن بڑا رُتبہ حاصل کروگے"۔ کچھ عرصے بعد انگد گرو جی سے ملاقات ہوئی۔ تو اُنہوں نے انہیں اپنے ڈھب کا پاکر اس قدر توجّہ کی کہ یہی اُن کے جانشین ہوئے۔ اِنہوں نے دُنیا کے جھوٹے غروروں اور ذاتوں گوتوں کی تفریق مٹانے کے لیئے یہ دستور باندھ رکھا تھا کہ جو شخص بھی اُن کے درشن کو آئے۔ پہلے اُن کے لنگر سے کھانا کھا آئے۔ تاکہ عملی طور پر اِصلاح ہو جائے۔ اِنہوں نے گوبند وال میں ڈیرا جما کر وہاں چوراسی سیڑھیوں کی ایک پختہ باولی بنوائی۔ اور ۱۵۷۴ء میں انتقال کیا +

چوتھی پتی بادشاہی گرو رام داس صاحب یہ صاحب لاہور کے رہنے والے سوڈھی کھتریوں کی قوم سے تھے۔ گرو امرداس صاحب کی نظر پڑی۔ تو اُنہوں نے ان کی پاکیزہ طبیعت دیکھ کر انہیں اپنی تربیت میں لے لیا۔ اور پھر ان کی روحانیت۔ وفاداری اور شرافتِ خاندان سے خوش ہو کر اپنی

لڑکی بھی انہیں کو بیاہ دی - اور جانشین بھی انہیں کو بنایا +

جہاں آج کل شہر امرت سر آباد ہے - پہلے اس کے قریب ایک گاؤں "سلطان پنڈ" ہوتا تھا - اور جس تالاب میں اب دربار صاحب کی عمارت ہے - یہ ایک جوہڑ تھا - گرو جی نے اس تالاب کے کنارے رہنا اختیار کیا - اور "سلطان پنڈ" میں لنگر کی ضروریات کے لئے کچھ زمین بھی خرید لی - آپ کے رہنے سہنے کی اکبر کو خبر ملی - تو خود آپ کے پاس امرت سر گیا - اور ملاقات سے خوش ہو کر پانسو پچنت بیگھہ زمین لنگر کے اخراجات کے لئے آپ کی نذر کی - اس زمین کے گرد انہوں نے ایک کچی دیوار بنا کر اُس کا نام "گرو کا چک" اور تالاب کو درست کرا کے اس کا نام "امرتسر" قرار دیا - آخر ۱۵۸۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا - جنم استھان کے نام سے ان کی یادگار میں ایک گردوارہ لاہور میں بھی موجود ہے +

پانچویں سچی بادشاہی گرو ارجن صاحب یہ صاحب گرو رام داس صاحب کے بیٹے تھے - جو باپ کی وفات پر ۱۵۸۱ء میں جانشین ہوئے - انہوں

نے تالاب امرتسر کے درمیان دربار صاحب کی عمارت بنوائی۔ یہ صاحب شاہ میر صاحب اور چھجو بھگت کے ہمعصر اور دوست تھے۔ اِن کے باہمی تعلقات اتنے گہرے تھے کہ دربار صاحب کا سنگِ بُنیاد اِنہوں نے شاہ میر صاحب ہی سے رکھوایا تھا +

اِس کے علاوہ اِنہوں نے رام سر اور سنتوکھ سر پُختہ تالاب بھی بنوائے۔ جس سے امرت سر کی رونق بہت بڑھ گئی +

امرتسر میں لوگوں کی آمد و رفت بڑھی۔ تو گرُو جی نے ترن تارن میں ایک عمدہ تالاب اور گرُودوارہ بنا کر رہنا شروع کیا۔ پھر وہاں سے کرتار پور آ رہے۔ جہاں ایک بڑا گرُدوارہ قائم ہے۔ اس میں باوا نانک صاحب کے تبرّکات بھی موجُود ہیں +

اِن کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اِنہوں نے چاروں گروؤں اور بزرگوں کے کلام کو ایک جگہ ترتیب دے کر اس کا نام "آد گرنتھ" رکھا۔ جو سکھوں کی مقدّس کتاب قرار پائی۔ پھر امرتسر کو ہمیشہ کے لئے اپنے پنتھ کا صدر قرار دیا۔ جس پر بعض لوگوں نے اکبر بادشاہ کو خبر دی کہ "گرُو جی ایک مُستقل مذہب نکال کر دوسرے مذاہب کی طرح اپنی کتاب بھی علیحدہ بنا بیٹھے ہیں"۔ بادشاہ نے آپ کو کتاب بھیجنے کے

لئے لکھا۔ تو اُنہوں نے اپنے ایک معتبر کے ہاتھ "آدگرنتھ" روانہ کر دیا۔ جسے سُن کر اکبر نے بہت پسند کیا۔ اور اکیاون مُہریں بطور نذر پیش کر کے کتاب واپس بھیج دی ✣

اِن کی وفات کی نسبت اکثر تاریخوں میں لکھا ہے کہ لاہور کے دیوان مانک رام کھتری یعنی چندُو شاہ کی لڑکی کے لئے بر تلاش کرتے ہوئے اتفاقاً اس کے لاگیوں نے اِن کے بیٹے کو پسند کر کے چندُو شاہ کو اِن کے ہاں ناتا کرنے کی رائے دی۔ جس کے منظور کرتے ہوئے اُس نے گرُوجی کی نسبت نفرت انگیز فقرات کا اظہار کیا۔ اِتفاق سے اس گفتگو کے وقت چندُو شاہ کے ہاں گرُوجی کا کوئی سیوک (معتقد) بھی موجُود تھا۔ جس نے سب کیفیت حرف بحرف گرُوجی کو لکھ بھیجی۔ اور جب اِن کے پاس باقاعدہ اُس کے لاگی ناتے کے لئے پہنچے۔ تو انہوں نے ایسا رشتہ لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ جس پر برافروختہ ہو کر چندو شاہ نے جہانگیر بادشاہ کے حضور گرُوجی کی نسبت باغیانہ منصوبے باندھنے کی چُغلی کھائی۔ اور آدگرنتھ کے پُرانے قصّے کو بھی نمک مرچ لگا کر پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اِنہیں لاہور بُلا کر چندُو شاہ کے سپُرد کر دیا۔ اور اُس نے گرنتھ کی تبدیلی کے لئے اِنہیں بہت تکلیفیں دیں۔ لیکن اِنہوں نے

منظور نہ کیا - آخر انہیں نظر بندی کے ایام میں ایک دن دریائے راوی پر غسل کرنے گئے - تو دریا پر جسم چھوڑ دیا - ان کی سمادھ لاہور میں موجود ہے ؛

چھٹی بادشاہی گرُو ہرگوبند صاحب یہ صاحب گرُو ارجن صاحب کے انتقال کے وقت صرف گیارہ برس کے تھے - ان کے مسند نشین ہونے کے چند دن بعد جہانگیر لاہور آیا - تو یہ بھی ملنے کو آئے اور ملاقات کے وقت کہربا کی ایک نادر تسبیح بطور تحفہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کی - بادشاہ کو تسبیح کچھ ایسی پسند آئی کہ اُس نے گرُو صاحب سے اس کی قیمت اور بناوٹ کی نسبت پُوچھنا شرُوع کیا - جس کے جواب میں گرُوجی نے کہا "ہمارا کوئی سیوک ایسی دو تسبیحیں والد صاحب کی نظر کو لایا تھا - جس میں سے ایک پر تو وہ خوُد وِرد (جپ) کیا کرتے تھے - دوسری مجھے عطا فرمائی تھی - جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہے اور گرُوجی کے پاس جو تسبیح تھی - وہ چندُو شاہ نے دبا لی تھی - جس کے بعد آپ نے وجہِ عناد بھی سب صفائی سے بیان کر دی - جہانگیر نے چندُو شاہ کی خانہ تلاشی کرائی - تو اس میں ان کے کہنے کے مطابق گرُو ارجن صاحب کی تسبیح برآمد ہو گئی - جس پر بادشاہ نے چندو شاہ کو ان کے حوالے کر دیا - پھر یہ بادشاہ کے ساتھ سیرِ کشمیر کرنے

کے بعد گھر کو چلے گئے - اور عرصے تک بادشاہ کو ملنے نہ آئے کہ دونوں میں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہتی۔ آخر خود غرضوں کو پھر موقع مل گیا - اور بادشاہ کو ان کی اور مجدد صاحب سرہندی کی بابت یہ کہا گیا کہ "ان کے مریدوں کی جمعیت روز بروز بڑھ رہی ہے" جس پر اُس نے اس خیال سے کہ اُن کی بڑھتی ہوئی طاقت سلطنت کے لئے خرابی کا باعث نہ ہو جائے - دونوں کو علیحدہ علیحدہ نظر بند کرنے کا حکم دے دیا - مجدد صاحبؒ تو چھ مہینے کے بعد چھوڑ دئے گئے - مگر واہ رے اعتقاد کہ ان کے سیوک پنجاب سے اتنے دور دست مقام پر بھی اُسی خلوص سے جاتے - اور ان تک رسائی نہ پاتے - تو قلعے کی دیوار ہی کو سلام کرکے چلے آتے +

کہتے ہیں کہ بادشاہ بیمار ہو گیا تھا - اس کی بیماری نے طوالت اختیار کی - تو گرو جی کا ایک خاص معتقد نجومی کی حیثیت سے بادشاہ تک پہنچا - اور زائچہ دیکھ کر کہا "آپ کو یہ تکلیف گرو جی کو تکلیف دینے کی وجہ سے پہنچ رہی ہے - اُنہیں رہا کرکے آرام پہنچائیے - تو آپ کو خود بخود آرام ہو جائیگا" اس پر بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم جاری فرمایا - جب یہ حکم گوالیار پہنچا - تو چونکہ اُسی قلعے میں اُن

کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ نظر بند تھے۔ جنہیں یہ وقتاً فوقتاً اپنے خیالات سُناتے رہتے تھے۔ اِس لئے انہوں نے کہلا بھیجا کہ "میں اکیلا رہا نہیں ہونا چاہتا"۔ جسے سُن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ جو لوگ آپ کا دامن پکڑ کر نکلنا چاہیں۔ سب کے سب رہا کر دئے جائیں۔ چنانچہ اس طرح اِن کے ساتھ اور لوگوں کی بھی مخلصی ہوئی۔ تو اِن کا نام "بندی چھوڑ" مشہور ہو گیا ٭

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا زمانہ آیا۔ تو اُس کے صُوفی ولیعہد دارا شکوہ کے ساتھ اِن کا خاصا اِرتباط و اِتحاد ہو گیا۔ مگر پھر کچھ ایسے واقعات جمع ہو گئے کہ لاہور کے قاضی سے اِن کی اَن بَن ہو گئی۔ اور اس نے اِن کی گرفتاری کو مُخلص خاں کی سرکردگی میں سات سَو سرکاری سپاہی بھجوا دئے۔ جس میں تھوڑی سی جھڑپ کے بعد گُرُو جی کے ہاتھ سے مخلص خاں مارا گیا۔ اس کے بعد گُرُو جی نے امرتسر کی بجائے کیرت پور رہنا اختیار کیا۔ مگر وہاں بھی کچھ عرصے بعد اِن کی گرفتاری کو پھر ایک مُختصر فوج پائندہ خاں کی افسری میں بھیجی گئی۔ یہ پائندہ خاں پہلے اِن کا کوکہ اور ملازم رہ چکا تھا۔ غرض وہ بھی گرُو جی کے ہاتھوں

مارا گیا - مگر باوجود اِن سب بدمزگیوں کے دارا شکوہ کی دوستی سے معاملے نے طُول نہ کھینچا اور سلطنت سے صفائی ہوکر ۱۶۳۸ء میں گروجی کو کیرت پور وغیرہ کی جاگیر عطا ہوگئی - جس کے بعد ۱۶۴۹ء میں اِن کا اِنتقال ہُوا +

ساتویں سچّی بادشاہی گرُو ہر رائے صاحب جس زمانے میں یہ صاحب مسند نشین ہوئے - اس وقت داراشکوہ ناظمِ پنجاب تھا - جس کے ساتھ اِن کی خاص دوستی تھی - چُنانچہ کچھ عرصے بعد جب دارا شکوہ اور اورنگ زیب کی لڑائی ہوئی - تو یہ داراشکوہ کے خیر اندیش رہے - مگر شریکِ جنگ نہ ہوئے +

اورنگ زیب تخت نشین ہوُا - تو اُس نے گرنتھ صاحب کے ایک شبد کا مطلب پُوچھنے کے لئے انہیں دہلی طلب کیا - جس پر ان کا بڑا لڑکا رام رائے دہلی پہنچ گیا - اور ایک لفظ کو بدل کر پڑھنے سے بادشاہ کی تسلّی کرآیا - جس کے بعد ۱۶۶۱ء میں اِن کا انتقال ہوگیا +

آٹھویں سچّی بادشاہی گرُو ہر کشن صاحب چوُنکہ گرُو ہر رائے صاحب بڑے بیٹے رام رائے پر بادشاہ کے سامنے اُصُول پر قائم نہ رہنے سے ناراض تھے - اِس لئے اِنھوں نے اپنے دوسرے بیٹے گرُو

ہرکشن صاحب کو گدّی نشین فرمایا۔ جس کے خلاف رام رائے نے دربار میں داد فریاد کی۔ اور بادشاہ نے نئے گدّی نشین کو اُن کے بااثر مُریدوں سمیت دہلی طلب فرمایا۔ اِن کی عمر اُس وقت کُل آٹھ سال کی تھی۔ دہلی تو پہنچے۔ مگر درباری پیشی سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ ان کے نام سے کیرت پور پنجور اور دہلی میں گُردوارے بنے ہوئے ہیں ؂

نویں بیحی بادشاہی گرُو تیغ بہادر صاحب یہ صاحب گرُو ہرگوبند کے پانچویں بیٹے تھے۔ جن کی پیدائش امرت سر میں واقع ہوئی تھی۔ انہوں نے مسند نشین ہو کر کیرت پور کے پاس انندپور میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ کچھ باقاعدہ فوج بھی رکھی۔ اور اپنے مذہب کا پرچار کرنے کے لئے دُور دُور تک سفر بھی کئے۔ اسی سفر میں ۲۔ جنوری ۱۶۶۶ء کو بمقام پٹنہ (جو آج کل صُوبۂ بہار کا صدر مقام ہے۔) گرُو جی کے گھر مائی گجری ساکنہ کرتار پور کے پیٹ سے گرُو گوبند سنگھ پیدا ہوئے۔ جس کے کچھ عرصے بعد گرُو تیغ بہادر صاحب کے پاس کشمیر و پنجاب کے لوگوں نے حکّام شاہی کی سخت گیریوں کی شکایتیں کیں۔

اس پر ۱۶۷۵ئہ میں گرو صاحب اورنگ زیب کو نصیحت کرنے کے لئے دہلی چلے گئے۔ بادشاہ نے گروجی کی باتیں سن کر کہا " ہر قوم و مذہب کے بانی میں کوئی نہ کوئی کرامت ہوا کرتی ہے۔ جس سے اس کی سچائی پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ بھی کوئی کرامت دکھائیے " جس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ کہ میرے پاس تو یادِ الٰہی اور راست بازی کے سوا کوئی کرامت نہیں " جس پر یہ جیل میں بھیجے گئے۔ اور بعد ازاں قتل کرا دئے گئے۔ جہاں یہ واقعہ گزرا۔ وہاں اب ایک گوردوارہ موجود ہے۔ جسے سیس گنج کہتے ہیں ÷

دسویں سچی بادشاہی گرو گوبند سنگھ صاحب یہ صاحب ہدایت کی گدی پر جلوہ افروز ہوئے۔ تو انہوں نے مذہبی پرچار اور حفاظت کے لئے سکھوں میں جنگی ولولہ پیدا کر دیا۔ انند پور اور ماکھووال میں مضبوط قلعے بنوائے۔ اور اتفاق باہمی کے لئے برہمن چھتری وغیرہ سب تقسیمیں موقوف کرکے سکھوں کو ایک برن (ایک ذات) ہو جانے کی تلقین کے ساتھ ہمیشہ ہتھیار بند رہنے کی ہدایت فرمائی۔ تمباکو پینا اور حجامت

کرانا تک ناجائز کر دیا کہ سکھ قوم فضولیات سے الگ ہو کر ایک جنگی قوم بن جائے۔ انہیں نے اپنے پانچ سرکردہ سکھوں کو پوہل دے کر اُن کے ناموں کے ساتھ سب سے پہلے "سنگھ" (شیر) کے لفظ کا اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد جوق در جوق ہزاروں لوگ اِن کے گروہ میں شامل ہوتے چلے گئے۔ پہاڑی راجاؤں کو اِس سے اندیشہ ہوا۔ تو اُنہوں نے اِن پر حملے شروع کئے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ جس پر اُنہوں نے نواب سرہند کو اور پھر بادشاہ کو اُن کے خلاف اُبھارا۔ اور شاہی فوج اِن کے مُقابلے پر مقرر ہو گئی۔ کئی معرکے کی لڑائیاں ہوئیں۔ اور گو ہر موقع پر سکھ بہادروں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ مگر آخرکار انہیں آنند پور خالی کرنا پڑا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد گرو جی کے دو جوان بیٹے بھی مارے گئے۔ اور ساتھی بھی کہیں سے کہیں نکل گئے۔ آخر اِنہوں نے اپنے ایک خاص جاں نثار کے ہاتھ بادشاہ کے نام دہلی خط بھیجا۔ مگر بادشاہ بسترِ مرگ پر پڑا تھا۔ کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور یہ اس کی موت کے بعد

دکن جا کر مذہبی پرچار کرتے رہے۔ جہاں بہت لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ جن میں مادھو داس عرف بندا بیراگی ایک بہادر بھی ان کے پیروؤں میں شامل ہو گیا۔ اُس نے ان کے بعد بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ آخرکار بمقام اپچلا[۱] نگر ایک پٹھان کے ہاتھ سے زخمی ہو کر ان کا انتقال ہوا۔ جس کا باپ عرصہ ہوا۔ انہیں کے حکم سے قتل ہو چکا تھا +

گرو جی کے نام پر ان کے سکھ سیوک بہت سے گوردوارے مختلف مقامات پر بنواتے رہے ہیں۔ جو اب تک ان کی یاد زندہ کر رہے ہیں۔ مثلاً ایک گوردوارہ مکتسر ضلع فیروزپور میں ہے۔ جس کے ساتھ ایک لنگر بھی موجود ہے۔ اور ایک عظیم الشان گوردوارہ ان کی ولادت گاہ پٹنہ میں قائم ہے۔ ایسے ہی اپچلا نگر میں بھی ایک بہت بڑا گوردوارہ ہے۔ جہاں انہوں نے انتقال کیا تھا۔ سرہند میں ان کے فرزندوں کی یادگار میں ایک بڑا شہید گنج بنا ہوا ہے۔ اور کیس گڑھ متصل انندپور میں ایک گوردوارہ

[۱] اپچل کے معنی ناقابلِ تسخیر یا ناقابلِ زوال ہیں +

اس یادگار میں بنا ہؤا ہے کہ وہیں اِنہوں نے پانچ سکھوں کو پہلے پہل پوہل دے کر "سنگھ" یعنی شیر کا خطاب دیا تھا۔ ایسا ہی جہاں جہاں آپ کا گزر ہؤا۔ گوردوارے موجود ہیں۔ اور چمکور واقع ضلع ہوشیار پور میں بھی ایک بڑا شہید گنج قائم ہے۔ جہاں ان کے ساتھی لڑتے ہوئے مارے گئے تھے +

بندا کا پنجاب آنا

چونکہ گرُو صاحب کے بعد اورنگ زیب کے انتقال پر سلطنت مغلیہ میں زوال شروع ہو گیا تھا۔ شاہ عالم بھائیوں کی لڑائیوں اور دُور کے صُوبہ داروں کی اُکھاڑ پچھاڑ میں گتھا رہا تھا۔ اس لئے سکھوں کو حکومت سے آزاد ہونے کا یہ بہت اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ بندا بہادر نے اپنے دلیر معتقدوں کے ساتھ دکن سے پنجاب کی راہ اختیار کی۔ اور اس بہادری سے بڑھتا ہؤا چلا آیا۔ کہ چند ہی دنوں میں کرنال اور لُدھیانہ سے سہارنپور تک کے علاقے لے کر سرہند۔ ساڈھورہ۔ انبالہ۔ سامانہ۔ سنام وغیرہ قصبات کو فتح کر لیا۔ جس کے بعد علاقہ ماجھا کے سکھ بھی پورے جوش کے ساتھ اِس نئے

بہادر کمانڈر کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے - اور اس طرح پچاس ہزار سکھوں کے جمِّ غفیر نے ستلج کو عبور کر کے جالندھر - کلانور اور بٹالہ لینے کے بعد لاہور کا رُخ کر دیا - راہ میں جا بجا جتنے شاہی قلعدار اور حاکم مقرر تھے - سب نے شکستیں کھائیں - لاہور میں اُن دنوں سیّد اسلم صوبہ دار تھا - جس نے اپنی مختصر سی فوج اور تمام باشندگانِ شہر کو ساتھ لے کر عیدگاہ کے پاس مقابلہ کیا - مگر غالب نہ آ سکا - اور شہر میں واپس ہو کر دروازے بند کر دئے - سکھوں نے بھی شہر میں داخل ہونے کی تو جرأت نہ کی - مگر مضافات کی خوب خبر لے ڈالی - آخرکار شاہ عالم نے دکن سے واپس آ کر لاہور مقام کر دیا - جس کے پنجاب پہنچتے ہی بندا مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گیا - اور شاہ عالم نے اسی سفر میں تین ماہ بعد ۱۷۱۲ء میں بمقام لاہور وفات پائی +

شاہ عالم کے بعد دہلی میں شاہ گردی شروع ہو گئی - جو قدرتی طور پر سکھوں کے پھر اُبھرنے کا نہایت اچھا موقع تھا - اس لئے بندا کوہستان

جموّں سے نکل کر پہلے سے بھی زیادہ زور کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اتنے میں فرخ سیر تختِ دہلی پر بیٹھا۔ اور اس نے ایک تورانی نواب عبد الصّمد خاں دلیر جنگ کو کامل اختیارات کے ساتھ ناظم پنجاب بنا کر اس کی امداد کے لئے محمّد امین خاں کو ایک زبردست فوج کے ہمراہ سکھوں کے مقابلے کو روانہ کیا۔ جنہوں نے پہلے تو سکھوں سے کلانور اور سنتوکھ گڑھ وغیرہ مقامات خالی کرائے۔ پھر جب ۱۷۱۶ئ میں بندا نے گورداسپور کے قریب اپنی فوج کے گرد ایک خندق کھدوا کر اُسے نہر کے پانی سے بھروا دیا۔ تو عبد الصّمد خاں نے اس کا محاصرہ کر کے اس بات کا بخوبی انتظام کر لیا۔ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز باہر سے اندر نہ جا سکے۔ یہ محاصرہ مہینوں تک جاری رہا۔ غلّہ ختم ہونے پر بندا نے اپنے آپ کو نواب کے حوالے کر دینے کا پیغام دیا۔ تو قرار پایا کہ بندا تو اپنے خاص رفیقوں کے ساتھ دہلی بھیجا جائے۔ البتہ ہمراہیوں میں سے جو لوگ ہتھیار چھوڑ کر گھر کو جانا چاہیں۔ ان سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔ چنانچہ بے شمار لوگ گھروں کو چلے گئے۔ صرف سات سو بہادر بندا کے ساتھ دہلی جانے کو تیار ہوئے۔

جہاں پہنچنے پر سب کو قتل کی سزا دی گئی +

سکھوں کی دوبارہ جدّ و جہد — تھوڑے عرصے بعد جب دلیر جنگ فوت ہو گیا۔ تو سلطنت کی کمزوری سے سکھوں کی متفرّق ٹولیوں (مثلوں) کو پھر اُبھرنے کا موقع مل گیا۔ اس وقت دلیر جنگ کا بیٹا یحییٰ خاں لاہور کا گورنر تھا۔ اور دیوان لکھپت رائے و جسپت رائے (امن آبادی) دونوں بھائی اس کے دیوان مال اور فوج کے میر بخشی تھے۔ ایک دفعہ جسپت رائے تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ امن آباد سے لاہور آ رہا تھا کہ راہ میں سکھوں نے آ لیا۔ اور دیوان کو اس کی مختصر جمعیت سمیت قتل کر ڈالا۔ دیوان لکھپت رائے نے اس واقعے سے مطّلع ہو کر یحییٰ خاں سے سکھوں کی سرکوبی کے لئے ایک جری فوج حاصل کی۔ اور جس قدر بھی سکھ پکڑے گئے۔ انہیں لاہور لا کر جوشِ غضب سے دہلی دروازے کے باہر کی مسجد[1] کے پاس قتل کرا دیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد جب یحییٰ خاں اور شاہ نواز خاں (پسران عبد الصمد خاں

[1] یہ مسجد اب تک سکھوں کے قبضے میں ہے۔ اور دارا شکوہ کے خانساماں کی بنوائی ہوئی ہے +

دیر جنگ) میں لڑائی شروع ہو گئی۔ تو حکومت کا رہا سہا رُعب و داب بھی رُخصت ہو گیا۔ اسی کے متّصل احمد شاہ ابدالی نے افغانستان سے آ کر سلطنت دہلی کا بھرم گنوا دیا۔ تو سکھوں نے بھی پھر کروٹ بدلی۔ اور امرتسر میں قلعہ رام گڑھ بنا کر نئے سرے سے کارروائی شروع کر دی۔ ان حالات کی اطلاع دہلی پہنچی۔ تو دربار نے میر معینُ الملک عرف میر منّو کو پنجاب کی صُوبہ داری پر نامزد کیا۔ جو ایک منتظم اور جابر شخص تھا۔ اس نے پنجاب پہنچ کر اس سختی سے انتظام کیا کہ چند ہی دنوں میں سب بدامنی دُور ہو گئی۔ اور سکھوں کا اُبھرنا بظاہر مشکل ہو گیا۔ لیکن اس کے مرتے ہی حالات پھر بدستور ہو گئے۔ جس کے بعد احمد شاہ ابدالی چوتھی بار پنجاب آیا۔ اور سکھوں کے گرو متفرّق ہو گئے۔ لیکن جب وہ اپنے بیٹے زمان شاہ کو حاکم پنجاب بنا کر واپس چلا گیا۔ تو سکھوں نے پھر جا بجا کام جاری کر دیا۔ شاہ زمان نے بھی پہلے تو اُنہیں خوب دبایا۔ مگر ۱۷۵۶ء میں جب مرزا آدینہ بیگ نے جستا سنگھ کو شاہ زمان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور اُس

نے کافی جمعیت کے ساتھ لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ تو شاہ زمان کو لاہور خالی کرنا پڑا۔ اور اس پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ جنہوں نے اپنا سکہ جاری کرکے اس پر یہ عبادت کندہ کرائی:۔

"سکہ زد بفضل خالصہ بملک احمد شاہ۔ مفتوحۂ جسا کلال"۔

اب لاہور تو فتح ہو گیا۔ اور سکہ بھی چل نکلا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ جسا سنگھ کے بلانے والے آدینہ بیگ کو ادھر تو سکھوں سے اطمینان نہ تھا۔ اور اُدھر احمد شاہی حملے کا خدشہ بھی بدستور لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے ایک تیسری تجویز سوچ کر مرہٹوں کو قبضۂ پنجاب پر آمادہ کیا۔ جنہوں نے معمولی طور پر ۱۷۵۷ء میں آکر ملتان اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ سکھوں کو اُن سے لڑنے کی طاقت کہاں تھی۔ ایک آدھ جھڑپ میں زیر ہو گئے۔ اور انہوں نے پنجاب کی حکومت (اٹک سے لدھیانہ تک) پچھتر لاکھ روپیہ سالانہ خراج کے اقرار پر مرزا آدینہ بیگ کے حوالے کر دی۔ لیکن بد نصیب مرزا نے سال بھر بھی حکومت کا لطف نہ اُٹھایا تھا کہ موت آ پہنچی۔ اور ۱۷۵۸ء میں بمقام

گجروالی (گوجرانوالہ) فوت ہو کر وہیں پیوندِ زمین ہو گیا۔ جس کے بعد پنجاب کی حکومت پُرساما مرہٹہ مرزا صدیق بیگ اور مرزا آدینہ بیگ کی بیوہ پر تقسیم ہو گئی۔ مگر تھوڑے دنوں بعد احمد شاہ نے ان پر حملہ کرکے ایسی کمر توڑی کہ پھر اُن کے دماغ میں قبضۂ پنجاب کا خیال بھی نہ آ سکا۔ لیکن احمد شاہ ابدالی ہمیشہ آندھی کی طرح آتا۔ اور بگولے کی طرح نکل جاتا تھا۔ اب کے بھی اس کے واپس جانے پر سکھوں نے پھر قلعہ امرت سر کو درُست کر لیا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دادا سردار چڑھت سنگھ نے بھی گجروالی میں ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا۔ جس پر ۱۷۶۱ء میں شاہ ابدالی کے مُعتبر بلند خاں نے حملہ کیا اور شکست کھائی +

آخر احمد شاہ ابدالی کو خود ۱۷۶۲ء میں آکر سکھوں سے گجروالی و برنالہ پر خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جس میں سکھوں کے بارہ یا پچیس ہزار جنگجو مارے گئے۔ اور بے شمار گرفتار بھی ہوئے۔ گرفتاروں میں چودھری آلا سنگھ جاٹ رئیس موضع پھول بھی شامل تھا۔ جو مہاراجگان پٹیالہ کے مورثوں میں ہوا

ہے۔ اس کی بہادری دیکھ کر احمد شاہ نے اُسے عزّت کے ساتھ رہائی دے کر راجہ کا خطاب اور علاقہ پٹیالہ کی سندِ حکومت عطا فرما دی۔ اور واپسی کے وقت کابلی مل کو حکومتِ لاہور پر مقرّر کر کے خود کابل چلا گیا۔ احمد شاہ کے جانے کی دیر تھی کہ سکھوں نے لاہور پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اسی حملے میں احمد شاہ کی وہ دمدمہ شکن توپ بھی اُن کے ہاتھ آ گئی۔ جسے بھنگیوںؔ کی توپ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے قصور۔ مالیر کوٹلہ اور سرہند پر بھی دخل پا لیا۔ ایسا ہی ایک گروہ نے سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ اور سرہند پر راجہ آلا سنگھ قابض ہو گیا +

اُسی زمانے میں بیساکھی کی تقریب پر سکھوں کا ہر سال امرت سر جمع ہونا اور تالاب امرتسر میں سالانہ نہانے کا قاعدہ مقرّر ہوا۔ نیز مرہٹوں کی تقلید پر زمینداروں سے ایک ایسا محصُول وصول ہونے لگا۔ جس کی مقدار پیداوار کے

ؔ چونکہ یہ توپ بھنگی مثل کے سرداروں نے حاصل کی تھی۔ اس لئے اُنہیں کے نام پر مشہور ہو گئی +

نصف حصّے سے پانچویں حصّے تک ہوتی تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا۔ جس میں پنجاب کا ملک سکھوں کی بارہ مثلوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور شہر امرتسر میں ایک ٹکسال بنا کر گوبند شاہی روپیہ جاری کیا گیا۔ جس پر یہ شعر کندہ تھا ؎

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یافت از نانک گرو گوبند سنگھ

اس کے بعد جب ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ ابدالی پانچویں دفعہ پھر پنجاب آیا۔ تو اُس نے دیکھ لیا کہ وہ سکھوں کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس اس نے راجہ آلا سنگھ والی پٹیالہ کے پوتے راجہ امر سنگھ کو خلعت اور سرہند پٹیالہ اور بھٹنڈہ کی سندِ حکومت مع خطاب راجہ مہاراجگان اندر مہندر بہادر عطا کر کے واپسی کا رُخ کیا۔ جس پر سکھوں نے راولپنڈی اور خان پور پر بھی قبضہ کر لیا۔ بھنگیوں کی مثل ملتان اور ڈیرہ غازی خاں پر قابض ہو گئی۔ اور گھنیوں کی مثل والے کانگڑہ پر مسلط ہو گئے۔ اہلو والیہ مثل نے کپور تھلہ وغیرہ علاقۂ جالندھر میں حکومت جمالی۔ اس کے بعد ۱۷۹۵ء

ہیں شاہ زمان ایک بار پھر فتح پنجاب کے ارادے سے حسن ابدال تک فوج لایا۔ مگر کابل میں فساد پھوٹنے کی خبر سُن کر واپس چلا گیا۔ جس کے ایک سال بعد غلام محمد خاں نے روہیلکھنڈ سے اور نواب آصف الدولہ نے اودھ سے شاہ زمان کو اپنی امداد کا وعدہ دے کر پھر پنجاب آنے کی ترغیب دی۔ اور وہ بھی ۱۷۹۷ء میں ۳۰ ہزار فوج لے کر لاہور پہنچ گیا۔ مگر اب بھی یہاں کے سرداروں رئیسوں اور ساہوکاروں سے ترتیس لاکھ روپے نذرانہ لے کر واپس چلا گیا۔ پھر ۱۷۹۸ء میں لاہور آ کر سکھوں سے بعض خفیف لڑائیاں بھی لڑا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اب کے ہمیشہ کے لئے واپس جاتے ہوئے دریائے جہلم میں اس کی چند توپیں گر پڑی تھیں۔ جن کے نکلوانے میں اُسے رنجیت سنگھ نے بڑی مدد دی۔ اس سے خوش ہو کر اس نے رنجیت سنگھ کو "راجگی" کا خطاب اور حکومت پنجاب کی سند لکھ دی۔ جو آگے چل کر اسی کے لئے حکومتِ پنجاب کا ایک ذریعہ بن گئی +

سکھوں کی بارہ مثلیں

چونکہ بندا کے بعد سکھوں کا کوئی باقاعدہ پیشرو نہ رہا تھا۔ اس لئے ہر علاقہ اپنے اپنے سردار کے ماتحت ہو گیا تھا۔ یہی سکھوں کے بارہ فرقے یا جتھے "مثل" کے نام سے مشہور تھے۔ یہ مثلیں یا تو کسی سردار کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں۔ یا گاؤں کی مناسبت سے ان کا نام قرار پایا تھا۔ مدعا اور مذہب سب کا ایک تھا۔ اور ضرورت کے وقت ہر مثل کا سردار اُن تمام اشخاص کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیتا تھا۔ جو اُس کی مثل (گروہ) میں شامل ہوتے تھے۔ اُن کے نام مع مختصر حال کے حسب ذیل ہیں :-

۱۔ بھنگیوں کی مثل اس مثل کا بانی سردار جستا سنگھ موضع پنجاور ضلع امرت سر کا ایک جاٹ تھا۔ یہ بھنگ بہت پیا کرتا تھا۔ اِس لئے اس کی مثل کا نام بھنگیوں کی مثل مشہور ہو گیا۔ یہ مثل ابتدا میں بڑی زبردست تھی۔ اسی میں ایک شخص ہری سنگھ نے شاہ زمان کے بھاگنے پر دمدمہ شکن توپ حاصل کی تھی۔

یہ توپ اب بھی لاہور عجائب گھر کے باہر ایک چبوترے پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اسی مثل میں سے سردار کنھیّا سنگھ نے امرت سر میں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ جس کا نام بھنگیوں کا قلعہ ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۰۶ء میں لاہور۔ امرت سر۔ سیالکوٹ۔ چنیوٹ۔ گوجرانوالہ۔ جلالپور کے تمام علاقے پر قبضہ پاکر اِس مثل کا خاتمہ کر دیا ✣

۲- نشانیوں کی مثل اس مثل والوں کے زیرِ اقتدار انبالہ کا ضلع تھا۔ اِن کے جھنڈے اور نشان دوسروں سے بلند ہُوا کرتے تھے۔ اس لئے اِن کا نام نشانیوں کی مثل مشہور ہو گیا ✣

۳- شہیدوں کی مثل جن سکھوں کے بزرگ مسلمان حاکموں کے وقت میں مارے جا چکے تھے۔ (جن کی یادگار میں یحییٰ خاں اور میر منّو کے وقت سے لاہور کا گنج شہیداں بن چکا ہے) اُن کے نام پر اس مثل کا نام شہیدوں کی مثل قرار پایا ✣

۴- رام گڑھیوں کی مثل چونکہ ان کا مُورث موضع رام رتنی عرف رام گڑھ ضلع امرت سر کا رہنے والا تھا۔ اس لئے اِن کا نام رام گڑھیوں کی مثل پڑ گیا۔ ان کا علاقہ ڈالی والیوں کے علاقے سے ملتا ہوُا دریائے بیاس تک شمار ہوتا تھا ✣

۵- نکیتوں کی مثل | لاہور کے جنوب میں نکہ ایک گاؤں ہے۔ اسی اعتبار سے اس مثل کا نام نکیوں کی مثل ہو گیا۔ دریائے راوی کے کنارے جنوب و مغرب کی طرف یہ مثل آباد تھی ⁂

۶- اہلو والیوں کی مثل | لاہور سے چھ کوس جنوب کی جانب ایک گاؤں اہلو واقع ہے۔ اس مثل کا نام اسی مناسبت سے "اہلو والیوں کی مثل" قرار پا گیا۔ دریائے بیاس سے ڈل والیوں کی مثل تک اس کا قبضہ تھا ⁂

۷- کہنیوں کی مثل | اس مثل کا بانی جے سنگھ موضع کاہند کا باشاہ تھا۔ جو لاہور سے دس کوس بجانب جنوب واقع ہے۔ اسی گاؤں کے نام پر اس کا نام کہنیوں کی مثل مشہور ہوا ⁂

۸- فیض اللہ پوریوں کی مثل | ضلع جالندھر میں فیض اللہ پور ایک گاؤں ہے۔ جس کا نام بعد میں سکھوں نے تبدیل کر کے سنگھ پور رکھ لیا تھا۔ اسی نام پر اس مثل کا نام قرار پایا تھا۔ دریائے بیاس و ستلج کے کنارے جہاں تک ان دونوں دریاؤں کا اتصال چلا گیا ہے۔ اس مثل کی حکومت تھی ⁂

۹- ٹسکر چکیوں کی مثل | موضع ٹسکر چک ماںجھے میں

ایک گاؤں تھا۔ اسی گاؤں کی مُناسبت سے یہ شکر چکیوں کی مثل مشہور ہوئی۔ اس مثل کا بانی مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دادا سردار چڑھت سنگھ تھا۔ اِس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ابتدا میں اسی مثل کا جانشین قرار پایا۔ پھر رفتہ رفتہ سب مثلوں کو معدوم کر کے مہاراجۂ پنجاب بن گیا۔ پہلے صرف دریائے چناب اور راوی کا درمیانی علاقہ اس مثل میں شامل تھا +

۱۰۔ ڈل والی مثل اس کا نام بھی موضع ڈل والی کی مناسبت سے مشہور ہو گیا تھا۔ ستلج کے دائیں کنارے اس مثل والوں کی حکومت تھی +

۱۱۔ کروڑا سنگھی مثل یا پنج گڑھی مثل پہلے تو اس مثل کا نام گاؤں کی مناسبت سے پنج گڑھی مثل تھا۔ مگر جب اس میں کروڑا سنگھ ایک بہادر شخص سردار بنا۔ تو اس کے نام پر کروڑا سنگھی مثل مشہور ہوئی +

۱۲۔ پھولکیوں کی مثل پھول نام ایک جاٹ گوت براڑ سدھو اس مثل کا بانی تھا۔ جو ریاستہائے پٹیالہ و جیند و نابھ کا مُورثِ اعلےٰ ہُوا ہے۔ پھول نام ایک گاؤں بھی اسی کا بسایا ہُوا ہے +

شیرِ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عہدِ حکومت

مؤرخان مہاراجہ رنجیت سنگھ میں سردار چڑھت سنگھ نے ایک معمولی زمیندار کی حیثیت سے پہلے پہلے صرف پانچ گھوڑے خرید کر کام شروع کیا تھا۔ جس پر اس نے قصبہ پنڈ دادن خان اور علاقہ کانِ نمک (لُون میانی) پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بیٹے سردار مہاں سنگھ نے رسول نگر اور کئی دوسرے دیہات پر بھی تسلّط جما لیا۔ اسی مہاں سنگھ کے گھر سنہ ۱۷۸۰ء میں رنجیت سنگھ پیدا ہوا۔ جو گویا اقبال کی تصویر تھا۔ اس کی پیدائش کے بعد سردار مہاں سنگھ نے جسّا سنگھ رام گڑھیہ اور راجہ سنسار چند والی کانگڑہ سے دوستی بڑھا کر فتوحات کے سلسلے کو اور بھی وسیع کرنا شروع کیا۔ اور سنہ ۱۷۹۲ء میں رنجیت سنگھ کی شادی سردار گوربخش سنگھ نکئی کی بیٹی کے ساتھ کر کے خود سفرِ آخرت اختیار کیا۔

رنجیت سنگھ کی فتوحات رنجیت سنگھ نے باپ کا جانشین ہو کر پہلے تو بہادری میں ناموری پیدا

کی۔ پھر جب کابل جاتے ہوئے شاہ زمان اس کو حکومت لاہور کا پروانہ دے گیا۔ تو اُس نے اس کے پورا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ لاہور کی حالت اس وقت عجیب و غریب تھی کہ ایک شہر اور تین حاکم۔ یعنی شالامار باغ سے دہلی دروازے تک گوجر سنگھ بھنگی کی حکومت تھی۔ جس کے نام پر قلعہ گوجر سنگھ اب تک شہر لاہور کے باہر موجود ہے۔ شہر کے شمالی حصے (دہلی دروازے سے ٹکسالی دروازہ مع بیلہ بستی رام اور قلعے وغیرہ کے) پر سردار لہنا سنگھ حکمران تھا۔ تیسرے حصے پر (جس میں بھاٹی دروازے سے مزنگ وغیرہ تک کی حکومت تھی) سوبھا سنگھ قابض تھا۔ اس وقت ایک شخص محمد محکم دین شہر کے دروازوں کی کلید برداری پر مقرر تھا۔ مہاراجہ اُسے اپنا ہمراز بنا کر بغیر کسی مقابلے کے لاہور داخل ہو گیا۔ جس کے بعد اس نے نظام الدین خاں والی قصور پر فوج کشی کر کے اُسے اپنا مطیع بنایا۔ پھر لاہور میں ایک شاہانہ جشن منعقد کر کے "مہاراجہ" کا خطاب اختیار کر لیا۔ جس کے بعد پنجاب بھر کے سکھ اور مسلمان رئیسوں کو جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنائے بیٹھے تھے۔ لڑائی

لہ لاہور کا موضع نواں کوٹ اسی کا آباد کیا ہوا ہے ÷

چال - دوستی اور رشتہ داری سے غرض جس طرح بھی ممکن ہؤا - اپنا مطیع کیا - چنانچہ لاہور لینے کے بعد بٹالہ اور گجرات کی سکھ ریاستوں پر قبضہ جمایا - اور گلاب سنگھ بھنگی کی بیوہ سے امرتسر لیا - پھر ڈسکہ - سیالکوٹ اور جموں پر مُہمیں بھیج کر کامیابی حاصل کی - ۱۸۰۳ء میں راجہ سنسار چند والی کانگڑہ سے نواں شہر اور گورداسپور کے علاقے لئے - پھر دوآبہ بست جالندھر میں داخل ہو کر پھگواڑہ وغیرہ پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۸۰۴ء میں چنیوٹ اور ساہیوال پر حکومت جمائی - اور نواب مظفر خاں والی ملتان پر فوج کشی کر کے ایک بھاری رقم نذرانے میں حاصل کی - ۱۸۰۶ء میں لدھیانہ کی مسلمان ریاست پر قبضہ کیا - جو ایک انگریز جارج طامس کے انتظام میں تھی - ۱۸۰۷ء میں نواب قصور پر حملہ کیا - جس کے بعد قصور پر مہاراجہ کی حکومت ہو گئی - اس لڑائی میں نوابوں کے مال و خزانہ - زر و جواہر اور رعایا کے مال و اسباب کے علاوہ رؤسائے قصور نے جو لاکھوں روپوں کی نایاب کتابیں جمع کی تھیں - وہ مہاراجہ کی فوج نے لوٹ کر ردی کے بھاؤ بیچ دیں - ۱۸۰۷ء میں مہاراجہ پٹیالہ سے اس کی

مہارانی کا کچھ تنازع ہؤا۔ تو انہوں نے تصفیے کے لیئے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بلایا۔ جس نے وہاں جا کر پہلے تو اس ثالثی کے عوض نایاب موتیوں کا ایک سَو دانے کا ہار حاصل کیا۔ پھر آتے ہوئے نرائن گڑھ اور موضع ڈھلی والی بھی اس کے قابضوں سے چھین کر اپنے ملک میں شامل کر لیئے۔ جس پر مہاراجہ کی اس بڑھتی دولت سے ڈر کر دریائے ستلج کے جنوبی کنارے کے رئیسوں اور راجاؤں نے سرکار انگریزی کے زیر سایہ ہونے کی درخواست کی۔ جو لُدھیانہ کے پرے تک ملک لے چکی تھی۔ چنانچہ حکومت انگریزی کی طرف سے مسٹر مٹکاف بہادر مہاراجہ کے پاس لاہور میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ سرکارِ انگریزی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ملک کے درمیان ایک حد بندی ہو جائے۔ مگر مہاراجہ نے مٹکاف صاحب کو تو لیت و لعل میں رکھا۔ اور ستلج سے پار ہو کر فرید کوٹ۔ کیتھل اور مالیر کوٹلہ کے رئیسوں سے بھاری نذرانے وصول کر لیئے۔

سرکار انگریزی کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پہلا عہد نامہ

آخرکار ڈیوڈ اختر لونی صاحب نے فوج انگریزی کو لُدھیانہ میں اتار کر باقاعدہ اعلان کر دیا کہ "جنوبی کنارۂ ستلج کا تمام علاقہ مع اپنے رئیسوں اور

سرداروں کے سوا اُن علاقوں کے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضے میں پہلے سے آ چکے تھے۔ سرکارِ انگریزی کے زیر سایہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس کی طرف پیشقدمی کریگا۔ تو اس کا جواب تلوار سے دیا جائیگا۔" اس اعلان پر مہاراجہ نے دانشمندی سے سرکارِ انگریزی کی طاقت کو وزن کرکے بخوشیٔ خاطر امرت سر میں مٹکاف صاحب سے ایک عہد نامہ کر لیا۔ جس کے رُو سے سرکار انگریزی اور مہاراجہ میں دوستی قرار پاکر سوا اُن علاقوں کے جو پہلے سے مہاراجہ کے قبضے میں تھے۔ جنوب مشرقی کنارۂ ستلج کا سب ملک اور ریاست ہائے پٹیالہ و جیند و نابھہ و مالیر کوٹلہ وغیرہ سرکارِ انگریزی کے ماتحت تسلیم کر لی گئیں ٭

قبضۂ کانگڑہ اسی سال راجہ سنسار چند والیٔ کانگڑہ پر مرہٹوں نے حملہ کیا۔ اور اس نے اپنے پگڑی بدل بھائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کو امداد کے لئے بُلایا۔ مہاراجہ نے اپنی بہادر فوج بھیج کر امر سنگھ مرہٹہ کو تو نکال دیا۔ مگر ساتھ ہی کانگڑہ پر خود قبضہ کر لیا۔ وہاں سے واپس ہو کر مہاراجہ نے بیوہ سردارنی سے وزیر آباد لیا۔ اور پھر پھلور کے قلعے کو درست کرا کے دیوان محکم چند کو وہاں کا قلعدار مقرر کر دیا٭

اُنہیں ایام میں مہاراجہ کے جرنیلوں نے بھمبر راجوری اور دوسرے پہاڑی مقامات بھی فتح کر ڈالے۔ کشمیر کا ملک اس وقت کابل کے ماتحت تھا۔ مگر اتفاق سے وہاں کا کابلی صوبہ دار عطا محمد خاں اُن دنوں کابل سے باغی ہو گیا تھا۔ جس کی گوشمالی کو فتح خاں وزیر کابل نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ اور مہاراجہ نے اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کرکے دیوان محکم چند کی سرکردگی میں اس کی امداد کے لئے اپنی طرف سے بھی ایک معقول فوج دی۔ مگر اس نے فتح کشمیر کے بعد جب محکم چند کو خالی ہاتھ رخصت کر دیا۔ تو مہاراجہ نے رنجیدہ ہو کر قلعۂ اٹک پر قبضہ کر لیا۔ جس پر فتح خاں اور مہاراجہ کے درمیان سخت مقابلہ ہو گیا۔ اور اس میں مہاراجہ یہاں تک کامیاب ہؤا کہ شاہ شجاع والیِ کابل کو بھی فتح خاں کی قید سے چھڑا کر لاہور لے آیا +

کوہِ نور ہیرا

شاہ شجاع کے لاہور آ جانے پر مہاراجہ کو یہ دُھن لگی کہ کوہِ نور جو ہندوستان بھر کی دولت کا مایۂ ناز ہیرا ہے۔ اور احمد شاہ کے وقت سے سلطنتِ کابل کی میراث بن کر اس وقت شاہ شجاع کے پاس ہے۔ کسی طرح شاہ سے حاصل کیا جائے۔ شاہ اس گراں بہا ہیرے کا دینا

منظور نہ کرتا تھا۔ لیکن مہاراجہ نے یہاں تک جبر اختیار کیا کہ کامل دو دن رات شاہ کے عیال و اطفال بھوکے پیاسے بلکتے رہے۔ اور آخر شاہ کو مجبوراً کہلانا پڑا کہ مہاراجہ خود آ کر ہیرا[1] لے جا سکتا ہے۔ جس سے غالباً اُسے خیال ہوگا کہ مہاراجہ رُو در رُو ایسی سختی کو جائز نہ رکھیگا۔ مگر مہاراجہ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور بیدھڑک جا کر شاہ سے خوشی خوشی ہیرا لے لیا۔ کہتے ہیں۔ مہاراجہ نے شاہ سے اس لاجواب ہیرے کی قیمت پوچھی۔ تو شاہ نے کہا ” مہاراجہ صاحب! اس پتھر کی قیمت صرف ڈنڈا ہے۔ جب ہمارے ہاتھ میں تھا۔ تو ہم نے دوسروں سے لے لیا۔ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم نے ہم سے چھین لیا“ اس کے بعد مہاراجہ کو شاہ کے باقی جواہرات لینے کا بھی خیال پیدا ہوا۔ اور سکھ عورتوں کے ذریعے سے بیگمات کی جامہ تلاشی کرا کے لاکھوں روپے کے زیورات و جواہرات داخلِ خزانہ کر لئے۔ جس پر ناچار اس مظلوم

---

[1] یہ ہیرا میر جملہ ایک سوداگر جواہرات نے اپنے بیٹے کو شاہ دکن کی قید سے چھڑانے کے عوض شاہ جہان کی نذر کیا تھا۔ جو قد اور قیمت میں دنیا کے تمام ہیروں سے بڑا تھا۔ اسی لئے اُسے کوہ نور کہتے ہیں۔ جب یہ انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ تو انہوں نے ترشوا کر ملکۂ وکٹوریہ کے تاج میں لگا دیا +

شاہ کو پوشیدہ طور پر نہایت مشکلوں سے بھاگنا پڑا۔ چنانچہ یہاں سے بھاگ کر اس نے حاکم کشتواڑ کی امداد سے کشمیر پر حملہ کیا۔ مگر وہاں سے بھی ناکامی ہوئی۔ پھر ستلج پار لدھیانہ میں سرکار انگریزی کے ہاں پناہ لی۔ جہاں سے اس کے لئے پچاس ہزار سالانہ پنشن مقرر کر دی گئی +

فتح جھنگ ۱۸۱۴ء میں مہاراجہ نے ریاست جھنگ پر حملہ کیا۔ جس میں سردار احمد خاں سیال بڑی دلیری سے تین دن تک برابر لڑتا رہا۔ مگر آخرکار مہاراجہ نے چند ساہوکاروں کی سازش سے آسانی کے ساتھ شہر میں دخل پا لیا +

فتح ملتان جھنگ سے نپٹ کر مہاراجہ نے نواب مظفر خاں والیٔ ملتان پر فوج کشی کی۔ بوڑھا نواب بڑی شجاعت سے لڑا۔ لیکن پے در پے حملوں اور مہاراجہ کی لگاتار کوششوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اپنے بیٹوں سمیت لڑتا ہوا مارا گیا۔ بلکہ اسی جنگ میں اس کی ایک لڑکی بھی قتل ہو گئی۔ اور ملتان فتح ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس موقع پر نواب کا بے شمار نقد و جنس مہاراجہ کے ہاتھ آیا۔ کیونکہ مقتول نواب کے گھرانے سے صرف ایک چھوٹے لڑکے سرفراز خاں کے سوا کوئی زندہ نہ بچا تھا۔

جسے قیدی بنا کر لاہور لایا گیا۔ اور گزارے کے لئے تھوڑی سی پنشن مقرر کر دی گئی۔ اس بڑی فتح کے بعد مہاراجہ نے لاہور میں ایک بڑا جشن منا کر کارگزاروں کو انعام عطا کئے ٭

فتح پشاور ان کامیابیوں کے بعد مہاراجہ نے ایک خفیف مقابلے سے پشاور کو فتح کیا۔ اور داؤد خاں کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کر کے واپس چلا آیا ٭

فتح کشمیر چونکہ سردار محمد عظیم خاں صوبہ دار کشمیر کے کابل چلے جانے سے کشمیر کا میدان اب بالکل خالی پڑا تھا۔ جہاں ایک دفعہ فتح خاں کی امداد میں مہاراجہ کی فوج بھی ہو آئی تھی۔ اس لئے موقع غنیمت سمجھ کر مہاراجہ نے کشمیر پر بھی فوج کشی کر دی۔ اور مزید امداد کے لئے خود بھی مئی ۱۸۱۹ء میں روانۂ کشمیر ہو گیا۔ چنانچہ ۵۔ جولائی کو سکھ فوج وادیٔ کشمیر میں پہنچ گئی۔ اس وقت کشمیر میں افغانوں کا نائب عطا محمد خاں مقرر تھا۔ جو معمولی مقابلے کے بعد زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ اور کشمیر کا ملک مہاراجہ کے قبضے میں آ گیا۔ جہاں پنڈت موتی رام کو صوبہ دار مقرر کر کے وہ خود راجوری کے راستے لاہور آ گیا ٭

فتح ڈیرہ جات ۱۸۲۱ء میں مہاراجہ نے ڈیرہ غازیخاں

وڈیرہ اسمٰعیل خاں کی ریاستوں پر حملہ کر کے اُنہیں فتح کر لیا۔ جو مسلمانوں کے قبضے میں کابل کے زیر سایہ سمجھی جاتی تھیں +

فوجی تربیت

۱۸۲۲ء میں جنرل ایلیرڈ۔ جنرل ونتورا اور مانشیئر کورٹ صاحبان باشندگان فرانس مہاراجہ کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ تو مہاراجہ نے جنرل ونتورا کو پیادہ سپاہ پر۔ جنرل ایلیرڈ کو سواروں کی فوج پر اور مانشیئر کورٹ کو توپ خانے پر مامور فرمایا۔ جنہوں نے تھوڑے دنوں میں مہاراجہ کی بے قاعدہ فوج کو بہت کچھ باقاعدہ بنا دیا +

پشاور کی دوبارہ فتح

مارچ ۱۸۲۳ء میں محمد عظیم خاں نے کابل سے آکر اچانک پشاور پر قبضہ کر لیا۔ تو مہاراجہ کو وہاں پھر فوج کشی کرنی پڑی۔ اور غنیم کو کامل شکستیں دے کر خیبر سے پرے تک ہٹا کر اُس کے ہزاروں دیہاتی ہمراہی پٹھانوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر اب ہشت نگر و خٹک پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور اپنی طرف سے سردار یار محمد خاں کو حاکم پشاور بنا کر واپس آگیا +

لاہور کی فصیل اور خندق

۱۸۲۰ء میں قحط سالی کا زور ہوا۔ تو مہاراجہ نے غریبوں کا پیٹ پالنے کے لئے آٹھ لاکھ روپے کی لاگت سے شہر لاہور کے

گرد ایک فصیل بنوائی۔ یہ فصیل دُہری تھی۔ اور اندرونی و بیرونی دیواروں کے درمیان خندق کھُدی ہوئی تھی۔ سرکارِ انگریزی کے عہد میں فصیل تُڑوا کر اینٹیں بیچ دی گئیں۔ اور خندق بھروا کر اس پر باغات لگا دئے گئے ٭

سیّد احمد ساکن بریلی

اسی زمانے میں سیّد احمد شاہ صاحب ساکن بریلی ایک بزرگ ہزاروں مُریدوں کے پیشوا حج سے فارغ ہو کر سرحد پر پہنچے۔ اور اقوام غلزئی و یوسف زئی میں جہاد کا وعظ کر کے سکھوں کے خلاف ۱۸۲۱ء میں آوڑہ اور پشاور کے مقامات پر حملہ کر دیا۔ مگر دونوں جگہ سیّد صاحب کو شکست ہوئی۔ البتّہ اس جنگ میں مہاراجہ کا صوبہ دار یار محمد خاں قتل ہو گیا۔ جس کے پاس ایک نایاب گھوڑا لیلا تھا۔ جو اس کے مرنے پر مہاراجہ کے پاس آ گیا۔ کہتے ہیں۔ اس گھوڑے کی قیمت سردار متوفیٰ کو پچاس ہزار روپے تک ملتی تھی۔ مگر اس نے کسی قیمت پر بھی اس کا بیچنا منظور نہ کیا تھا۔ جو اس طرح خوش قسمت مہاراجہ کو مُفت مل گیا۔ اس کے بعد سیّد صاحب نے سکھوں کی فوج پر جو پشاور میں جنرل ایلیرڈ اور ہری سنگھ نلوہ کے زیر کمان مقرر تھی۔ پھر ایک سخت حملہ

کر دیا۔ اور پشاور پر عارضی قبضہ کر کے اپنا لقب خلیفۂ رسول اللہ رکھ لیا۔ مگر شرعی احکام اس سختی سے جاری کئے کہ اُدھر تو جہادی پٹھان بھی ناراض ہو کر الگ ہو گئے۔ ادھر مہاراجہ کا بہادر بیٹا شیر سنگھ بھی مقابلے کو جا پہنچا۔ جس کے ساتھ اوائل مئی ۱۸۲۳ء میں شاہ صاحب نے اٹک سے اتر کر ایک ایسی سخت جنگ کی کہ اسی میں خُود بھی شہید ہو گئے۔ اور ساتھی بھی بھاگ گئے۔ جس کے بعد مہاراجہ کا جرنیل ہری سنگھ نلوہ پٹھانوں کو سخت سزائیں دے کر اور دیہات جلا کر تمام علاقے کو اپنے قبضے میں لے آیا۔

گورنر جنرل اور مہاراجہ کی پہلی ملاقات

۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ صاحب بہادر گورنر جنرل ہندوستان کے ساتھ مہاراجہ کی ملاقات کے لئے روپڑ کا مقام تجویز ہؤا۔ جہاں نہایت شوق و محبت سے ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو دید و باز دید کی رسوم اور شاہانہ تحائف کا تبادلہ عمل میں آ کر پہلا عہد نامہ پھر لکھا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ نے سندھ کے فتح کرنے کا بھی ارادہ کیا۔ مگر سرکار انگریزی نے اجازت نہ دی۔

۱۸۳۴ء میں شاہ شجاع نے لُدھیانہ سے سندھ کے راستے افغانستان پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اور راستے ہی میں امیرانِ سندھ سے پانچ لاکھ روپیہ نذرانہ

لے کر قندھار پر بھی حملہ کیا۔ لیکن امیر دوست محمد خاں سے شکست کھا کر بدستور لدھیانے واپس آنا پڑا۔ جس کے بعد امیر دوست محمد خاں فوج لیئے ہوئے پشاور پہنچ گیا۔ لیکن جونہی سکھوں کی تازہ دم بیس ہزار فوج نے ۲۶ - مئی ۱۸۳۵ء کو اس کا محاصرہ کیا۔ اُسے اپنا سا منہ لے کر واپس جانا پڑا۔ جس کے دو سال بعد اس کے بیٹے سردار محمد اکبر خاں نے ۳۰ - اپریل ۱۸۳۷ء کو پشاور کی سکھ فوج پر ایک زبردست حملہ کرکے اُسے ایسی شکست دی کہ اسی جنگ میں مہاراجہ کا بہادر جرنیل سردار ہری سنگھ نلوہ بھی مارا گیا۔ لیکن اس فتحمندی کے بعد بھی محمد اکبر خاں نے پشاور پر قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ مہاراجہ کی فوج کو برباد اور اس کے سامان کو لوٹ کر بدستور کابل چلا گیا۔ جس کی واپسی پر مہاراجہ نے بہت جلد نہایت مستعدی سے اپنی تازہ دم فوج مع توپ خانہ پشاور بھیج کر وہاں کے قبضے کو بدستور مستقل کر لیا۔

کنور نونہال سنگھ کی شادی

اوائل مارچ ۱۸۳۷ء میں مہاراجہ نے اپنے پوتے نونہال سنگھ کی شادی سردار شام سنگھ اٹاری والے کی لڑکی کے ساتھ اس شان و شوکت اور تزک و احتشام سے رچائی کہ سکھوں کی تاریخ میں اس سے بہتر کوئی جشن نظر نہ

آئیگا - اس تقریب پر مہاراجہ نے تمام پنجاب کے
والیان ریاست اور مشہور سرداروں کے علاوہ سرکار
انگریزی کے اعلےٰ افسران کو بھی دعوت دی تھی چنانچہ
چارلس مٹکاف صاحب گورنر آگرہ - اور سرہنری فینن
صاحب کمانڈر انچیف ہند بھی مہمانوں میں شامل
تھے - جن کی مہانداری نہایت تکلف اور شان وشوکت
سے عمل میں آئی - شادی کا یہ عظیمُ الشان جلسہ
امرت سر میں منعقد کیا گیا تھا - جس قدر مہمان
مع اپنے ہمراہیوں کے اس موقع پر جمع تھے - اُن
کی تعداد پانچ لاکھ بیان کی جاتی ہے - جن سب
کے طعام و قیام کا انتظام مہاراجہ کی طرف
سے پوری فراخ دلی کے ساتھ عمل میں آیا - فقراء
مساکین اور غریب لوگ بھی تقریباً تمام پنجاب
سے اس موقع پر مہاراجہ کی بخشش سے حصہ لینے
کو جمع ہو گئے تھے - جن سب کو پانچ روپے سے
ایک روپے تک فی کس عنایت کیا گیا - اور دینے
کی یہ ترتیب ٹھہرائی کہ ایک بڑے میدان میں سب
کو جمع کر کے چاروں طرف فوجی پہرہ لگا کر نکلنے کے
لئے صرف چار راستے بنا دئے گئے - جن پر
مہاراجہ کے اہلکار بیٹھے ہوئے ہر نکلنے والے شخص
کو ایک سے پانچ روپے تک اس کی حیثیت کے

موافق نقدی دے کر رخصت کرتے جاتے تھے۔ اس ترکیب سے بغیر کسی نقصان جان کے روپیہ تقسیم ہو گیا۔ اس طریقے کو بارہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد کئے بٹیوں کی پوری کچوری اور جلیبیوں وغیرہ سے دعوت کی گئی۔ شادی پر جتنے عالی قدر رئیس اور مہمان آئے تھے۔ مہاراجہ کی طرف سے سب کو اُن کے رُتبے کے موافق خلعتیں عطا ہوئیں۔ جتنے کام کرنے والے اور منتظم لوگ تھے۔ انعام و اکرام سے مالا مال کئے گئے۔ اور جو سامان لڑکی والوں کو دیا گیا۔ اس کی فہرست تو بہت ہی طول طویل تھی۔ غرض ان سب اخراجات کا تخمینہ ایک کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔ لیکن دانشمند مہاراجہ نے رسم تنبول (نیوتہ) کے ذریعے سے اس خرچ کی بہت کچھ تلافی کر لی۔ جس میں اُسے پچاس لاکھ روپیہ وصول ہو گیا۔

پنجاب میں آرڈر آف نائٹ کا قائم ہونا

شادی سے فارغ ہو کر مہاراجہ نے سر ہنری فین صاحب کمانڈر انچیف ہند کو لاہور میں لا کر ان کی مہمانداری میں بڑا بھاری اہتمام کیا۔ اور اسی موقع پر سر ہنری کی لیڈی صاحبہ کی ملاقات مہاراجہ کی بڑی مہارانی نکائن کے ساتھ بھی کرائی گئی۔ اس تقریب کی یادگار میں انگریزی خطابوں اور اعزازوں سے واقف ہو کر مہاراجہ

نے پنجاب میں بھی ایک سٹار قائم کیا۔ جس میں سب سے پہلے جنرل فینن صاحب کو ایک گارٹر عطا ہوا۔ اور اسے وہ نہایت فخر کے ساتھ لگاتے رہے ✣

نواب گورنر جنرل سے دوسری ملاقات

۱۸۳۸ء میں جب مہاراجہ کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ سر آکلینڈ صاحب گورنر جنرل ہند کے ساتھ بمقام فیروزپور ایک ضابطے کی ملاقات نہایت شان و شوکت سے عمل میں آئی۔ اور دونوں سرکاروں میں ایک نیا عہد نامہ لکھا گیا ✣

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خصائل و شمائل

مہاراجہ ایک کشیدہ قامت۔ قوی ہیکل اور سپاہیانہ عادات کا فرمانروا تھا۔ جو سکھ سرداروں اور مفتوح مسلمانوں کو پرچلائے رکھنے کا ڈھنگ بہت اچھا جانتا تھا۔ وہ ذاتی طور پر بالکل سیدھی سادی عادتیں رکھتا تھا۔ اور گو لکھا پڑا نہ تھا۔ مگر پھر بھی اتنا با حوصلہ۔ عقلمند اور ہوشیار تھا کہ نہ تو خوفناک موقعوں اور خطرناک صورتوں میں گھبراتا۔ اور نہ کبھی کسی کے داؤ میں آتا۔ وہ پنجاب کی اتنی بڑی سلطنت کے انتظام سے جو اس نے چھوٹے چھوٹے رئیسوں کو مٹا کر پیدا کی تھی۔ کبھی غافل نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مہاراجہ کی خوش نصیبی سے اس کے پاس ایسے قابل لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جو اس زمانے کے موافق اصول ملک داری میں پوری

مہارت رکھتے تھے۔ علاوہ بریں مہاراجہ اپنے ملک کے
اکثر مقامات کو خود بھی دیکھتا بھالتا رہتا تھا



چھ مہینے لاہور رہتا۔ تو امرت سر میں بھی دو تین
مہینے رہ کر دسہرے کا دربار عموماً وہیں منعقد کرتا
ایسا ہی کبھی کانگڑہ کے درشن کو جاتا۔ تو کبھی جموں
وغیرہ کی طرف بھی تفریحی سفر کرتا۔ فقیروں اور
سادھوؤں کی خاص طور پر عزت کرتا۔ اور غربا

و مساکین کی داد رسی ضروری سمجھتا تھا ✣

ایک حبسِ دم کا عامل فروری ۱۸۲۷ء میں کنکھل متعلقہ ہردوار کا ایک برہمن مہاراجہ کے پاس اس خیال سے آیا کہ وہ اپنے حبس دم کی برکت سے مہاراجہ کی دائمی تندرستی کی تدبیر کریگا۔ مگر جب مہاراجہ نے اس سے یہ سُنا کہ وہ چالیس روز تک دانہ پانی تو کجا، ہوا کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ تو اُسے ایک چوبی صندوق میں بند کرا کے باغ کی کوٹھڑی میں گڑھا کھُدوا کر زمین کے نیچے دبوا دیا۔ اور کوٹھڑی کو مقفل کرنے کے بعد دروازے کے ساتھ ایک زائد دیوار زمین سے چھت تک بنوا کر باہر جنگی پہرہ لگا دیا۔ لیکن اس حفاظت پر بھی جب چالیسویں دن دیواروں کو تڑوا۔ تالے کھُلوا اور صندوق کو اُکھڑوا کر فقیر کو باہر نکالا گیا۔ تو گو اس وقت اس کی آنکھیں بند۔ چہرہ بھیانک۔ جسم گرم اور نبض ندارد تھی۔ لیکن گھڑی دو گھڑی میں اس کے جسم پر گھی کی مالش کرنے سے از سرِ نو حِس و حرکت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور اُس نے آنکھیں کھول کر مہاراجہ کے سلام کو ہاتھ اُٹھایا۔ جس نے خوش ہو کر اُسے ایک قیمتی

خلعت عطا فرمایا - جس میں ایک مروارید کی مالا - کانوں کے دو طلائی بالے اور ہاتھوں کے جڑاؤ کڑے بھی تھے ٭

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات مہاراجہ کو آخر عمر میں فالج ہو گیا تھا - ۱۸۳۹ء میں اس مرض کا حملہ ایسا مہلک ہوا کہ اس نے اپنی آخری حالت دیکھ کر ایک دربارِ عام میں کُل سرداروں اور جاگیرداروں سے شہزادہ کھڑک سنگھ کو نذریں دِلوا دیں - اور ۳۰ - جون ۱۸۳۹ء کو اس دُنیا سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گیا - جس کے ساتھ دو رانیاں اور گیارہ کنیزیں بھی چتا میں بیٹھ کر جل مریں - اور لاہور میں گرُو ارجن صاحب کی سمادھ کے ساتھ ہی اُس کی سمادھ بھی بنا دی گئی - اس نامور مہاراجہ کو سکھوں کا اکبر کہنا چاہیئے - جس میں ملکوں کے فتح کرنے کے ساتھ اُن پر حکومت کرنے کی بھی خاصی قابلیت موجود تھی ٭

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین

مہاراجہ کھڑک سنگھ یکم جولائی ۱۸۳۹ئہ کو مہاراجہ کھڑک سنگھ باپ کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ مگر اس کی حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ وہ اپنے ایک ادنےٰ مصاحب چیت سنگھ کے ہاتھ میں کٹھ پُتلی بن گیا تھا۔ جس پر تمام اہلِ خاندان سکھ اور اہلکار مخالف ہوگئے۔ چنانچہ ۸۔ اکتوبر ۱۸۳۹ئہ کو اُنہوں نے چیت سنگھ کے قتل کر دینے کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ کو نظر بند کر لیا۔ اور اس کے جیتے جی اس کے بیٹے کنور نونہال سنگھ کو مہاراجہ بنا کر راجہ دھیان سنگھ کو وزارت دے دی۔ ۵۔ نومبر ۱۸۴۰ئہ کو اسی نظر بندی کے عالم میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ جس کی لاش کے ساتھ تین رانیاں اور نو کنیزیں ستی ہوگئیں +

کنور نونہال سنگھ کی موت مہاراجہ کھڑک سنگھ کی لاش کو آگ دے کر کنور نونہال سنگھ قلعے کو واپس آرہا تھا کہ حضوری باغ کے دروازے میں سے گزرتے ہوئے یک لخت دروازے کی عمارت اس کے اُوپر گر پڑی۔ جس سے یہ نوجوان شہزادہ بھی آن کی آن میں ختم ہوگیا +

رانی چند کور معزولی مہاراجہ کھڑک سنگھ اور نوجوان

کنور نونہال سنگھ کے مرنے کے بعد حکومتِ پنجاب پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ کا حق پہنچتا تھا۔ جو اس وقت بٹالہ میں حکومت کر رہا تھا۔ مگر خاندانی لوگوں نے اس بنا پر کہ کنور نونہال سنگھ کی رانی حاملہ ہے۔ گدی نشینی کو ملتوی کر کے مہاراجہ کھڑک سنگھ کی بیوہ رانی چند کور کو نگران تسلیم کر لیا۔ راجہ گلاب سنگھ والیِ جموں اور سردارانِ سندھانوالیہ رانی کے طرفدار تھے۔ اور راجہ دھیان سنگھ و سوچیت سنگھ اس کے مخالف۔ اس لئے انہوں نے جموں پہنچ کر سامانِ جنگ درست کرنے کے بعد مہاراجہ شیر سنگھ کو لکھا۔ کہ "آپ لاہور آئیں۔ ہم امداد کو پہنچتے ہیں"۔ اس پر شیر سنگھ نے لاہور پہنچ کر راجہ دھیان سنگھ وغیرہ کا انتظار کئے بغیر ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ راجہ گلاب سنگھ ایک کار آگاہ سردار قلعے میں موجود تھا۔ اس لئے قلعہ تو فتح نہ ہو سکا۔ البتہ سات دن تک شیر سنگھ کی فوج نے شہر والوں کو خوب دل کھول کر لُوٹ لیا۔ اتنے میں راجہ دھیان سنگھ بھی جموں سے لاہور پہنچ گئے۔ جنہوں نے اپنے بھائی راجہ گلاب سنگھ کے ساتھ نامہ و پیام کر کے ان شرائط پر صلح کرا دی۔ کہ

(۱) "مہاراجہ شیر سنگھ رانی چند کور کو نو لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر دے"۔

(۲) مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج کو جو قلعہ بند ہو رہی
تھی۔ اسباب سمیت صحیح سلامت نکل جانے
دیا جائے ÷

صلح ہوئی۔ تو راجہ گلاب سنگھ نے اپنی فوج کے ساتھ قلعے کی تمام دھن دولت اور جواہرات گاڑیوں پر لدوا کر جموں بھجوا دئیے۔ جس کے بعد قلعے کی خالی دیواریں یا بچے کھچے توشے خانے کے ساتھ ایک بہت بڑی چیز کوہ نور ہیرا مہاراجہ شیر سنگھ کے ہاتھ آیا ÷

ان خانہ جنگیوں میں سکھ فوج کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ اب وہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ شیر سنگھ کی فوج کا لاہور کو لوٹنا اس کی مرضی سے نہ تھا۔ بلکہ یہ سب فوج کے اپنے منشا سے عمل میں آیا۔ ایسا ہی کشمیر کی خالصہ فوج نے بھی جنرل میہاں سنگھ صوبہ دار کشمیر کو اپنی ہی مرضی سے لوٹ لیا۔ اور جنرل اوی طویلہ کے ماتحت فوج نے بھی اپنی ہی مرضی سے اس پر حملہ کر دیا۔ جس سے وہ تو جان بچا کر نکل گیا۔ لیکن مسٹر فوکس سردار فوج مارے گئے ÷

مہاراجہ شیر سنگھ ۱۸۔ جنوری ۱۸۴۱ء کو راج گدی سنبھالتے ہی اقرار کے مطابق راجہ دھیان سنگھ کو وزیر اعظم اور راجہ سوچیت سنگھ کو سپہ سالار پنجاب بنایا گیا۔ مہاراجہ شیر سنگھ غریبوں کا انصاف کرنے اور چوروں۔

بدمعاشوں کو سخت سزائیں دینے میں اتنا نامور ہوا ہے۔ کہ اس کے حکم سے دو شب و روز لاہور کے دکانداروں نے پہرے چوکی بغیر دکانیں کھلی چھوڑ دیں۔ مگر کسی کو چوری کی جرأت نہ ہوئی ÷

اس کے عہد میں لارڈ ایلن برا گورنر جنرل ہند فیروزپور تشریف لائے۔ جن کی ملاقات کو مہاراجہ کا ولیعہد پرتاپ سنگھ فیروزپور گیا تھا ÷

مہاراجہ شیر سنگھ صرف دو سال حکومت کر سکا۔ کیونکہ تھوڑے ہی دنوں بعد مہاراجہ اور وزیر نے ایک دوسرے کے مخالف ہو کر سندھیانوالیہ سرداروں کو ہمراز بنانا شروع کر دیا۔ مگر یہ سردار ایسے کاریگر تھے کہ اُنہوں نے دونوں کو ایک ہی دن ٹھکانے لگا دیا۔ یعنی ۱۳۔ دسمبر ۱۸۴۳ء کو جب مہاراجہ شیر سنگھ لاہور کے باہر بارہ دری شاہ بہلول میں بیٹھا فوج کی حاضری لے رہا اور اس کا بیٹا پرتاپ سنگھ باغ میں تلادان[1] کر رہا تھا۔ سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھیانوالیہ بھی اپنے چھ سو مسلح سوار لے کر موضع راجہ ساہنسی ضلع امرتسر سے جو ان کی جاگیر میں تھا۔ ایک دو نالی بندوق ہاتھ میں لئے ہوئے داخل دربار ہوئے۔ اور سلام کے بعد ایک سردار نے مہاراجہ سے کہا "دیکھئے

[1] اپنے جسم کے برابر اناج سونا چاندی وغیرہ تول کر دینا ÷

بھائی صاحب! میں نے یہ کیسی عمدہ رائفل چودہ سو روپے میں خریدی ہے" مہاراجہ نے جونہی سادگی سے دیکھنے کو ہاتھ بڑھایا۔ اُنہوں نے بندوق آگے کرکے گھوڑا دبا دیا۔ دونوں گولیاں ٹھیک سینے پر بیٹھیں۔ مہاراجہ بدحواس ہوکر گرا۔ تو اُن کے ساتھیوں نے فوراً ہی تکہ بوٹی کر دیا۔ اس سے نپٹ کر قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ تو راستے میں راجہ دھیان سنگھ دربار کی طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔ سرداروں نے کہا" راجہ صاحب! دشمن کا کام تمام ہو لیا۔ اب قلعے میں چل کر انتظام کا مشورہ کیجئے" وہ اجل گرفتہ خاموش ساتھ ساتھ ہو لیا۔ اور قلعے کے دروازے میں داخل ہوتے ہی اُس کا بھی سرتن سے جدا کر دیا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ کے بھائی اور بیٹے کو ان واقعات کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے فوج کو اپنے ساتھ ملا کر دوسرے دن پنتالیس ہزار خالصہ سپاہ سے قلعے کو جا گھیرا۔ اور قاتل سرداروں کو اُن کے خاص ہمراہیوں سمیت قتل کرکے ان کی لاشیں گزرگاہ عام پر پھنکوا دیں +

مہاراجہ دلیپ سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ اور اس کے قاتلوں کے قتل پر ۱۶۔ دسمبر ۱۸۴۳ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا خورد سال بیٹا دلیپ سنگھ برائے نام گدی پر بٹھایا گیا۔ اور راجہ ہیرا سنگھ فرزند راجہ دھیان سنگھ

وزیر اعظم قرار پایا۔ ہیرا سنگھ باپ کی طرح لائق وزیر تھا۔ مگر اس کا یہ رُتبہ مہاراجہ کے ماموں جواہر سنگھ اور خود وزیر کے چچا سوچیت سنگھ کو سخت ناگوار تھا۔ لیکن خالصہ فوج اس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے چچا کو قتل کرا کے جواہر سنگھ کو بھی قید کر لیا۔ پھر کچھ عرصے بعد کشمیرا سنگھ خلف مہاراجہ رنجیت سنگھ اور عطر سنگھ سندھانوالیہ کو بھی قتل کرا دیا۔ اور اپنے دوسرے چچا راجہ گلاب سنگھ والی جموں پر بھی سرکاری بقایا وصول کرنے کے بہانے فوج کشی کر دی۔ اس پر طُرّہ یہ کہ اپنے میر منشی جلا پنڈت کو سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ جو ایک مشہور سخت گیر اور بد زبان شخص تھا۔ آخر اِن سب شکایتوں کو جمع کرکے سردار جواہر سنگھ نے خالصہ فوج کو اُس کے خلاف آمادہ کر لیا۔ چنانچہ فوج نے ہیرا سنگھ کی حویلی گھیر لی۔ اور جلا پنڈت کی موقوفی کا مطالبہ کیا۔ وزیر جلا پنڈت کو موقوف کرکے فوج کے سپرد کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے وہ سورج نکلنے سے پہلے قیمتی جواہرات اور مال و زر لے کر جلا پنڈت سمیت لاہور سے جموں کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر جواہر سنگھ نے جو اس کی زندگی کو اپنی کامیابی کی راہ میں کانٹا جانتا تھا۔ اسی وقت اس کے پیچھے خالصہ فوج روانہ کر دی۔ جس نے موضع کالا شاہ کاکو

کے پاس اس ڈیڑھ سو آدمی کے قافلے کو جا لیا۔ اور سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر کُل دھن دولت سمیٹنے کے بعد لاہور آکر جواہر سنگھ کو وزیر بنا دیا۔ اور رانی جنداں کے ایک معتبر لال سنگھ کو اس کا شریکِ کار کر دیا۔ لیکن جب سردار جواہر سنگھ نے بھی اختیارات پاکر سردار پشورا سنگھ کو قتل کرا دیا۔ تو خود سرفوج اس نئے وزیر کے بھی خلاف ہو گئی۔ اور صرف تین چار مہینے کی وزارت کے بعد اس نے ۲۳۔دسمبر ۱۸۴۵ء کو سردار جواہر سنگھ کو اس کی بہن رانی جنداں کے سامنے قتل کر دیا۔

راجہ لال سنگھ کی وزارت اور سنگھ فوج کی خود سری

چونکہ ہر سردار کی موت و حیات فوج کے اختیار میں ہو گئی تھی۔اس لئے کوئی مدبّر سردار وزارت قبول نہ کرتا تھا۔ سب نے لال سنگھ کو راجہ کا خطاب دے کر وزیر بنایا۔ مگر ایسے موقع پر جب راجہ دھیان سنگھ اور راجہ ہیرا سنگھ ایسے بارسوخ سردار فوج کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ وہ کس طرح اطمینان سے بیٹھ سکتا تھا؟ اس نے رانی جنداں راجہ تیج سنگھ پسر جمعدار خوش حال سنگھ اور دوسرے سرداروں کو موافق بنا کر اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر

سوچی کہ سکھ فوج کو کسی ایسی جگہ جھونک دو۔
جہاں وہ صحیح سلامت نہ رہ سکے۔ چنانچہ پہلے
تو پشاور سے پرے افغانی ملک پر چڑھائی کی تجویزیں
کی گئیں۔ مگر خالصہ فوج وہاں جانے پر راضی نہ
ہوئی۔ چونکہ اتفاق سے انہیں دنوں سرحد پر انگریزی
فوجوں کی تبدیلی عمل میں آئی تھی۔ جسے بہانہ بنا کر
رانی جنداں نے کُل اہلکاروں اور فوج کے پنچوں کو
مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ میں جمع کر کے دربار
کی طرف سے کہا "سنگھ سردارو! تم نے سُن لیا ہوگا۔
کہ انگریز ہمارے ملک میں داخل ہونے کے ارادے
سے اپنی فوجوں کو جنگ کے لئے آراستہ کر رہے ہیں۔
پس اگر خالصہ فوج کو اپنے ملک کی کچھ بھی آبرو ہے۔
تو انگریزوں کو اس خیال کا مزہ چکھانا چاہیئے۔ تم
جانتے ہو کہ انگریزوں کے علاقے دہلی وغیرہ دولت کی
کان بنے ہوئے ہیں۔ اگر ہمت کی جائے۔ تو خالصہ
جی اُن سے اتنے مالا مال ہو سکتے ہیں کہ اپنے ملک
میں اس کے مقابل کچھ بھی نہیں پا سکتے"۔

یہ باتیں سُن کر فوج کے منہ میں پانی بھر آیا۔
اور اس نے انگریزوں کے ساتھ لڑنے کا پختہ ارادہ
کر لیا۔ چنانچہ راجہ لال سنگھ کو وزیر اعظم اور
تیج سنگھ کو سپہ سالار بنا کر خالصہ فوج کے ہمراہ

خوشی خوشی علاقۂ انگریزی کی طرف کوچ کر کے بھرو کے پتن متصل قصور سے ستلج کو عبور کر لیا۔ اس لشکر میں ۲۲ ہزار سوار تو راجہ لال سنگھ کے ماتحت تھے۔ اور بیالیس ہزار پیادہ فوج اور سواروں کی دس رجمنٹیں بہت بڑے توپ خانے کے ساتھ راجہ تیج سنگھ کے اہتمام میں تھیں۔ اس وقت لارڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ لارڈ گف صاحب کمانڈر انچیف انبالہ تھے۔ اور پنجاب کے متعلقہ اضلاع انبالہ۔ لدھیانہ اور فیروز پور میں صرف سترہ ہزار فوج انگریزی اور کل اٹھتر توپیں موجود تھیں۔ اس لئے انگریز اس اچانک لڑائی سے حیران رہ گئے۔ مگر پھر بھی خالصہ فوج سے مندرجہ ذیل پانچ لڑائیاں ہو گئیں۔ اور انگریزوں کی تھوڑی سی باقاعدہ فوج نے سکھوں کو مغلوب کر لیا +

مدکی کی لڑائی پہلی لڑائی ۱۸- دسمبر ۱۸۴۵ء کو بمقام مدکی پر ہوئی۔ جو فیروز پور سے بیس میل پر واقع ہے۔ اس میں انگریزوں کی گیارہ ہزار اور سکھوں کی چار ہزار فوج شامل تھی۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ مگر عین معرکے کے وقت راجہ لال سنگھ میدان سے بھاگ نکلا۔ جس کے بعد سکھ فوج

کے پاؤں اُکھڑ گئے - اور انگریزی سپاہ نے بھی اسی فتح کو غنیمت سمجھ کر سکھوں کا تعاقب نہ کیا ؞

بھائی پھیرو کی جنگ دوسری جنگ موضع بھائی پھیرو پر واقع ہوئی - جو مُدکی اور فیروزپور دونوں سے دس دس میل کے فاصلے پر آباد ہے - اس موقع پر سکھوں کی پچاس ہزار فوج اور ایک سو توپیں موجود تھیں - لارڈ گف اور لارڈ ہارڈنگ صاحب گورنر جنرل ہند بھی خود معرکۂ کارزار میں موجود تھے - ۲۱ - دسمبر ۱۸۴۵ء کو سہ پہر کے وقت یہ جنگ شروع ہوئی - اور دو تین گھنٹے رات گئے تک اس زور شور سے ہوتی رہی کہ دونوں طرف سے کوئی کمی نہ رہ گئی - سکھ اس زور کے حملے کرتے تھے کہ انگریزی فوج کے قدم اُکھڑ اُکھڑ جاتے تھے - آخر رات ہو جانے کے باعث فتح و شکست کا فیصلہ کئے بغیر دونوں فوجیں آرام کے لئے اپنے اپنے کیمپوں میں چلی گئیں - اور ۲۲ - دسمبر کو طلوع آفتاب سے پہلے میدانِ جنگ گزشتہ دن سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ گرم ہو گیا - اور طرفین نے خوب ہی داد مردانگی دی - مگر جب اس میں بھی راجہ تیج سنگھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا - تو خالصہ فوج کے

بھی پاؤں نہ جم سکے - اور سترہ توپیں انگریزوں کے ہاتھ آنے پر جنگ ختم ہوئی +

بڈووال کی لڑائی تیسری لڑائی ۲۱ - جنوری ۱۸۴۶ء کو موضع بڈووال ضلع لدھیانہ کے قریب ہوئی - وہاں انگریزی افسر میجر جنرل سر ہاری سمتھ سامان رسد و بار برداری کا انتظام اور امدادی فوج کا انتظار کر رہے تھے کہ سکھوں کی فوج نے دھاوا کر کے اُن کے مال و اسباب اور ٹٹوؤں پر قبضہ کر لیا - اور جنرل سمتھ کو ناچار لدھیانہ واپس جانا پڑا +

اِدھر تو یہ کارروائی ہو رہی تھی - اُدھر رانی جنداں نے منت و خوشامد سے راجہ گلاب سنگھ کو بلا کر ۲۷ - جنوری ۱۸۴۶ء کو وزارتِ پنجاب کا خلعت پہنا دیا +

علی وال کی لڑائی ۲۸ - جنوری ۱۸۴۶ء کو موضع بوندری اور علی وال کے مابین سکھوں اور انگریزوں کی چوتھی لڑائی ہوئی - جس میں گیارہ ہزار فوج انگریزی اور پندرہ ہزار فوج خالصہ پورے توپخانوں سمیت موجود تھی - لڑائی زور شور سے جاری تھی - دونوں جانب خوب بہادرانہ حملے ہو رہے تھے - کہ حسب دستور عین موقع پر خالصہ فوج کے افسر سردار رنجودھ سنگھ نے میدان چھوڑ دیا - مگر

فوج لڑائی کے نشے میں کچھ ایسی از خود رفتہ ہو رہی تھی کہ اُس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی - اور برابر لڑتی چلی گئی - لیکن بہت جلد "بے افسر فوج ابتر" کی مثل کے مطابق انگریزی سواروں نے اُس کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا - اور سکھوں کی پچاس توپیں انگریز افسروں کے ہاتھ آئیں +

صلح کی درخواست اس کے بعد راجہ گلاب سنگھ کی طرف سے سرکار انگریزی کی خدمت میں صلح کے لئے درخواست ہوئی - اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی صغرسنی کو سفارشی بنایا گیا - جس کا جواب سرکار انگریزی کی طرف سے یہ دیا گیا کہ "صلح کر لینی تو کچھ مشکل نہیں - مگر اس کا کیا علاج کہ فوج اور دربار الگ الگ چیزیں ہیں - لہٰذا صلح جبھی ہو سکتی ہے کہ تمام سپاہ ہتھیار ڈال دے" جس پر راجہ گلاب سنگھ نے فوج کی خود سری دکھا کر مجبوری ظاہر کی +

سبراؤں کی لڑائی ۱۰ - فروری ۱۸۴۶ء کو ایک لڑائی موضع سبراؤں پر ہوئی - جو دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر واقع ہے - جنگ علی وال کے بعد سکھوں نے اسی جگہ اپنی ستر سٹھ توپیں اور دو سو زنبورکیں لا جمع کی تھیں - فوج کی تعداد بھی

پینتیس ہزار تھی۔ جس نے مرنے یا مارنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اس فوج کے سردار تو گو دو دے یا دوسرے لفظوں میں خود ہی اپنی شکست چاہنے والے تھے۔ مگر سپاہی سخت پُرجوش تھے۔ اور جوش کو سردار شام سنگھ اٹاری والا اور بھی جوانمردی سے اُبھار رہا تھا۔ اُدھر دہلی سے انگریزوں کی بھی تازہ امدادی فوج بڑی بڑی گراں ڈیل توپوں سمیت آ پہنچی تھی۔ اتنے میں ۸۔ فروری کو سکھوں کی فوج نے انگریزوں کے ایک بلند مقام پر جو فوج کی نظر بازی کے لئے مقرر تھا۔ اچانک دھاوا کر کے قبضہ کر لیا۔ آخر انگریزی جرنیلوں نے کُل سامان درست کر کے ۱۰۔ فروری کو عین طلوعِ آفتاب کے وقت سکھوں کے کیمپ پر گولہ باری سے جنگ شروع کر دی۔ جس کا پورے تین گھنٹے تک سکھ بھی نہایت استقلال کے ساتھ جواب دے کر جوہرِ شجاعت دکھاتے رہے۔ بلکہ شام سنگھ اٹاری والے نے اس سختی سے دھاوا کر دیا کہ انگریزوں کی ایک توپ بھی چھین لی۔ انگریزی سپاہ نے بہتیری جان توڑ کوشش کی۔ مگر شام سنگھ کی رہنمائی سے سکھوں کا دل کمزور ہونے میں نہ آتا تھا کہ دفعتاً راجہ تیج سنگھ بظاہر زخمی ہو کر میدانِ جنگ

سے بھاگ کھڑا ہؤا - اور نہ صرف خود بھاگا - بلکہ سکھوں کے سامانِ جنگ کی ایک کشتی کو جو دریا میں بھری کھڑی تھی - غرق کرا گیا - سکھ فوج کا راجہ کی اس حرکت سے بے دل ہونا تو یقینی تھا - مگر سردار شام سنگھ اٹاری والا اُسے گرُو کی قسمیں دے دے کر لڑاتا ہی رہا - اور جب تک یہ بہادر سردار مارا نہیں گیا - خالصہ جی نے بھی لڑائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - مگر اس کے مرتے ہی سکھوں کے پاؤں اُکھڑ گئے - اور میدانِ جنگ بلکہ سکھوں کے کیمپوں میں بھی کوئی جوان نظر نہ آتا تھا - چنانچہ انگریزوں نے خالصہ مورچوں میں داخل ہو کر سڑسٹھ توپوں - دو سو زنبورکوں اور تمام سامانِ جنگ پر قبضہ کر لیا - اس جنگ میں انگریزوں کے ۳۲۰ قتل اور دو ہزار تراسی زخمی ہوئے - اور سکھوں کے آٹھ ہزار آدمیوں کا نقصان ہؤا - جن میں مقتول - غریق اور مجروح سب شامل ہیں +

سرکار انگریزی کا قبضہ قصور پر

دوسرے دن ۱۱ - فروری کو فوج انگریزی نے ستلج کو عبور کرکے قصور پر قبضہ کر لیا +

آخر کار راجہ گلاب سنگھ نے وزیر اعظم پنجاب

کی حیثیت سے گورنر جنرل بہادر کے کیمپ میں پہنچ کر تمام حالات سُنانے کے بعد اِن شرائط پر صُلح کر لی +

شرائطِ صلح (۱) دربار لاہور ڈیڑھ کروڑ روپیہ جرمانہ ادا کرے +

(۲) حفظِ امن کے لئے عام سکھ فوج کے ہتھیار اُتروا دیئے جائیں۔ اور آئندہ اس کی تعداد اور تنخواہ وغیرہ کا انتظام مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے کے مطابق ہو +

(۳) وہ تمام توپیں۔ بندوقیں۔ اور جملہ سامان جنگ جو سرکار انگریزی کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا جائے +

(۴) دریائے ستلج کے دونوں کناروں کا انتظام سرکار انگریزی کے سپرد رہے +

(۵) مہاراجہ دلیپ سنگھ مع بھائی لال سنگھ وغیرہ کے گورنر جنرل بہادر کے حضور میں حاضر کیئے جائیں +

گورنر جنرل سے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی ملاقات قرار داد صُلح کے مطابق ۲۸۔ فروری ۱۸۴۶ء کو بمقام لُلیانی مہاراجہ دلیپ سنگھ نے سکھ سرداروں سمیت گورنر جنرل سے ملاقات کی۔ اور صاحب موصوف

نے ایک مختصر درباری تقریر میں کہا" اس وقت اُن شرائط صلح کے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ جو پہلے سے سرداران دربار کے ساتھ طے ہو چکی ہیں۔ کیونکہ خرُد سال مہاراجہ اُن کے متعلق کچھ سمجھ اور سوچ نہیں سکتا۔ پس مقررہ شرائط پر سرکار انگریزی ریاست لاہور کی برقراری کی خواہش کرتی ہے"

اس کے بعد ۲۰۔ فروری ۱۸۴۶ء کو انگریزی فوج کی حفاظت میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کو لاہور پہنچا دیا گیا۔ لیکن اہلکاران دربار خالصہ فوج سے اب بھی اس قدر ڈرتے تھے کہ انہوں نے حکام انگریزی کے پاس اس مضمون کی ایک تحریری درخواست بھیج دی کہ "کچھ مدت کے لئے لاہور میں انگریزی فوج کا ایک دستہ رکھ دیا جائے" چنانچہ ۹۔ مارچ ۱۸۴۶ء کو گورنر جنرل نے ایک باقاعدہ دربار میں صلح نامے کی تصدیق کرنے کے بعد سرہنری لارنس صاحب کو یہاں کا ریزیڈنٹ بنا کر ۹ ماہ کے لئے ایک مختصر فوجی دستہ ان کی حفاظت کی غرض سے مقرر کر دیا ✣

اس صلح نامے کی شرط اوّل کے مطابق دربار لاہور کو ڈیڑھ کروڑ روپیہ نقد سرکار انگریزی کو ادا کرنا تھا۔ جو یہاں موجود نہ تھا۔ اس لئے قرار پایا کہ دوآبہ سندھ ساگر کا کوہستانی علاقہ یعنی کوہستان کانگڑہ و کشمیر

اور ہزارہ مع پشاور ایک کروڑ روپے کے عوض سرکار انگریزی کو دے دیا جائے - اور پچاس لاکھ روپیہ نقد داغل کیا جائے - نیز آئندہ خالصہ سپاہ کی تعداد بھی بیس ہزار پیادوں اور بارہ ہزار سواروں سے زیادہ نہ رکھی جائے - جس کی تنخواہ بھی صرف اُتنی ہی رہیگی - جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت ہوُا کرتی تھی +

راجہ گلاب سنگھ کو خطاب مہاراجگی دیا جانا

جب سر ہنری لارنس یہاں کے انتظام کی یہ صورت باندھ چکے - تو انہوں نے راجہ گلاب سنگھ کی خدمات سے خوش ہو کر گورنر جنرل ہند سے سفارش فرمائی - اور اُنہیں مہاراجہ کا خطاب دلا کر ان کے ہاتھ کشمیر[۱] و دریائے اٹک مشرقی اور دریائے راوی کی مغربی طرف کا کوہستانی علاقہ بسوا وادی لاہول کے صرف پچھتر لاکھ روپے کے عوض بیچنا منظور کرا دیا - بلکہ ساتھ ہی اُنہیں دربار لاہور کی ماتحتی سے نکال کر انگریزی حمایت میں

[۱] ریاست جموں و کشمیر کا رقبہ تراسی ہزار مربع میل - آبادی تیس لاکھ اور آمدنی ایک کروڑ سالانہ ہے - مہاراجہ کی سلامی اُنیس توپوں سے کی جاتی ہے - ریاست خود مختار ہے - کچھ عرصے سے ایک ریزیڈنٹ بھی مقرر ہے +

لے لیا۔ ان رعایتوں پر یہ رعایت اور کی۔ کہ اس پچھتّر لاکھ روپے میں اُس پندرہ لاکھ روپے کا مُجرا دینا بھی منظور کر لیا۔ جو راجہ سوچیت سنگھ کا انگریزوں کے پاس جمع تھا۔ آخر اسی مضمون کا عہد نامہ ہو کر اس کی باضابطہ تحریر و تصدیق بھی ہو گئی۔ اور خوش نصیب مہاراجہ گلاب سنگھ صرف ساٹھ لاکھ روپے نقد دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے ریاستِ لاہور کی ماتحتی سے آزاد ہو کر ایک خودمختار والیٔ ریاست بن گیا۔ ساتھ ہی خالصہ حکومت کا خاتمہ ہو کر ریاست لاہور بھی سرکار انگریزی کے ماتحت تسلیم کر لی گئی۔ جس کا نام نہاد وزیر راجہ لال سنگھ ہی قرار پایا۔ چونکہ اس چالاک وزیر کو باہمی عداوت کے باعث راجہ گلاب سنگھ کی کامیابی سخت ناگوار تھی ٭

شیخ امام الدین گورنر کشمیر کا مہاراجہ گلاب سنگھ کو قبضہ دینے سے انکار

اس لئے اُس نے شیخ امام الدین گورنر کشمیر کو ہدایت کی۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو ہرگز کشمیر کا قبضہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ جب مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج کشمیر کا قبضہ لینے گئی۔ تو شیخ امام الدّین نے لڑائی کی طرح ڈال دی۔ آخر مہاراجہ گلاب سنگھ کی درخواست پر سرکار انگریزی کی

طرف سے سر ہنری لارنس کے بھائی میجر جان لارنس دربارِ لاہور کی ایک سپاہ لے کر خود روانہ کشمیر ہوئے۔ اور مہاراجہ کو قبضہ دلا کر شیخ امام الدین کو اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ جہاں تمام حالات کی تحقیقات کے بعد راجہ لال سنگھ کو بنارس جلا وطن کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب وہ نو مہینے کی مدت ختم ہو گئی۔ جو فوج انگریزی کے لاہور رہنے کے لئے مقرر ہوئی تھی مگر ڈرپوک اہلکارانِ دربارِ لاہور کی طرف سے پھر انگریزوں کو کہا گیا۔ کہ "پنجاب کی ملکی حالت ابھی تک اعتبار کے لائق نہیں ہوئی۔ اس لئے نابالغ مہاراجہ کے بالغ ہونے تک سرکار انگریزی اس فوج کو یہیں رہنے دے۔ جس کے اخراجات دربار ادا کیا کریگا"۔ چنانچہ لارڈ ہارڈنگ نے اس درخواست کو منظور کر کے آئندہ کے لئے ایک نیا عہد نامہ محررہ ۱۶- دسمبر ۱۸۴۶ء کی رُو سے یہ قرار دیا۔ کہ "دربار لاہور کا کُل کام ایک ایسی کونسل کے اختیار میں دیا جائے۔ جس کے آٹھ ممبر

دربار لاہور کے لئے کونسل کا تقرر

دربار کے اہلکار و سردار ہوں۔ اور انگریزی ریزیڈنٹ اُس میں بطور صدر (پریزیڈنٹ) کام کرے۔ علاوہ بریں فوج انگریزی کے اخراجاتِ تنخواہ کی بابت بائیس لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم دربارِ لاہور انگریزوں کو ادا کیا کرے"۔

سرکارِ انگریزی کے خلاف سکھوں کی آخری کوشش اور اِلحاقِ پنجاب

رانی جنداں کی انگریزوں کے خلاف سازشیں اور جلا وطنی

راجہ لال سنگھ کی جلا وطنی اور کونسل کے تقرّر کے بعد رانی جنداں پر انگریزوں کے خلاف دوسرے والیانِ ریاست کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے کا الزام ثابت ہُوا۔ اور کونسل نے رانی کو بجائے لاہور کے قلعۂ شیخوپورہ میں رہنے کا حُکم دیتے ہُوئے یہ شرط لگا دی۔ کہ انگریزی ریزیڈنٹ کی منظوری کے سِوا کوئی شخص رانی صاحبہ سے نہ مِل سکے۔ مگر پھر بھی رانی پر انگریزوں کے زہر دینے کا الزام لگا۔ اور کونسل نے رانی صاحبہ کو بنارس میں جلا وطن کر دیا ؎

دیوان مُولراج کی بغاوت

دِیوان مُولراج راجہ ہیرا سنگھ کے وقت سے گورنرِ مُلتان چلا آتا تھا۔ مگر اس نے اس طویل عرصے میں خراج و نذرانہ کی بابت کبھی کوئی رقم خزانے میں داخل نہ کی تھی۔ اِس لئے ریزیڈنسی سے اس کی طلبی کا حُکم جاری ہُوا۔ اور اس نے لاہور آکر گذشتہ حساب سمجھا دینے کا

ذمہ لینے کے بعد آیندہ کے لئے استعفا داخل کر دیا۔ جس پر ریزیڈنسی سے مسٹر اگینو کو لفٹنٹ انڈرسن سمیت ایک مختصر سی سپاہ دے کر ملتان بھیجا گیا۔ کہ مول راج سے حساب سمجھ کر قلعہ خالی کرا لیں۔ مگر صاحبانِ موصوف کے ملتان پہنچنے پر مول راج نے حساب کتاب سمجھانے کی بجائے خود انھیں کو قتل کرا دیا۔ پھر ایڈورڈس[1] صاحب اپنی فوج کو مول راج کے مقابلے پر لے جانے کے ارادے سے اٹک سے پار ہوئے۔ تو سکھ فوج نے اُن کی بھی متابعت سے انکار کر دیا۔ لیکن انگریزوں کی خوش نصیبی سے نواب بہاولپور نے اپنی فوج کا ایک دستہ ایڈورڈس صاحب کی امداد کو بھیج دیا۔ اور کرنل کورٹ لینڈ صاحب بھی لاہور سے ایک دستۂ سپاہ کے ساتھ ملتان جا پہنچے۔ جن سے دیوان مول راج نے پہلے تو چھ ہزار سپاہ کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پھر ۱۸۔ جون ۱۸۴۶ء کو کنیری پہ دس ہزار انگریزی فوج سے جنگ کی۔ مگر دونوں دفعہ

---

[1] یہ صاحب اُس وقت دربار کی طرف سے بنوں کے انتظام پر مقرر تھے۔ اُنھیں کے نام پر بنوں کو ایڈورڈس آباد کہتے ہیں۔ اور یہی صاحب بعد میں سر ہربرٹ ایڈورڈس ہوئے ؎

شکست کھائی - اتنے میں شیخ امام الدّین سابق صوبہ دار کشمیر بھی اپنی چار ہزار فوج لے کر انگریزوں کی امداد کو جا پہنچا - اور اس طرح ایڈورڈس صاحب نے مانگے تانگے کی اٹھارہ ہزار فوج اور بائیس توپوں کے ساتھ بمقام سدو سین مول راج کا ایسا مقابلہ کیا - کہ وہ شکست کھا کر قلعۂ ملتان میں جا پناہ گزین ہوا - جس پر کمانڈر انچیف صاحب کے حکم سے جنرل وہش نے آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر ۴- ستمبر کو ملتان کا محاصرہ کر لیا - مگر ۵- ستمبر ۱۸۴۸ء کو چونکہ سردار شیر سنگھ ولد چتر سنگھ اپنی ماتحت فوج لے کر مول راج کے ساتھ مل گیا - اس لئے انگریزی افسروں نے محاصرہ اُٹھا لیا - اور پھر جب تازہ سپاہ بمبئی سے آگئی - تو ۷- دسمبر کو شہر ملتان کا دوبارہ محاصرہ کر کے گولہ باری شروع کر دی گئی - جس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ مول راج کو شکست دے کر انگریزی فوج نے شہر و قلعہ پر قبضہ کر لیا - اور دیوان کو قیدی بنا کر لاہور بھیج دیا - جہاں اُسے جلا وطنی کی سزا دی گئی - پھر تھوڑے عرصے بعد اُس کا انتقال ہو گیا ✣

سردار چتر سنگھ اٹاری والے کی بغاوت ملتان میں جس وقت دیوان مول راج کے ساتھ لڑائی جاری تھی -

ادھر سرحد ہزارہ کی طرف سردار چتر سنگھ اٹاری والے نے کل سکھ سپاہ کو اپنے ساتھ ملا کر غدر برپا کر دیا تھا۔ اور امیر دوست محمد خاں والیٔ کابل کے ساتھ سازش کر کے اُسے یہ وعدہ دے کر انگریزوں کے خلاف سکھوں کی امداد کے لئے آمادہ کر لیا تھا۔ کہ انگریزوں کو نکال دینے کے بعد علاقۂ پشاور و ڈیرہ جات افغانستان کے ساتھ ملحق کر دیا جائیگا۔ چُنانچہ پہلے پہل اِس فوج نے میجر جان لارنس کو جو بعد میں سرجان لارنس ہوئے۔ پشاور میں قید کر لیا۔ اس کے بعد چتر سنگھ کا بیٹا شیر سنگھ بھی جو محاصرۂ مُلتان میں مُول راج سے مل گیا تھا۔ وہاں سے آکر باپ کے ساتھ شریک ہو گیا۔ جس پہ اِس ہنگامے کے فرو کرنے کو لارڈ گف صاحب بہادر کمانڈر انچیف خود نمبر ۱۵ رجمنٹ پیادہ۔ نمبر ۱۴ رجمنٹ سوار اور اٹھتر توپیں لیکر فیروزپور سے رام نگر جا پہنچے ٭

معرکۂ رام نگر ۲۲ نومبر ۱۸۴۸ء کو دریائے چناب کے کنارے پر انگریزوں اور سکھوں میں ایک سخت مُقابلہ ہُوا۔ جس میں انگریزی فوج کو شکست ہو کر کرنل کریٹن و کرنل ہیولاک بھی مارے گئے۔

پھر ۲ - دسمبر ۱۸۴۸ء کو سعد اللہ پور کے مقام پر
معرکۂ سعد اللہ پور
شیر سنگھ نے انگریزوں پر ایک نہایت زبردست حملہ کیا - مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اور سکھوں کی فوج جہلم چلی گئی - لیکن ۱۳ -
معرکۂ چیلیانوالہ
جنوری ۱۸۴۹ء کو بمقام چیلیانوالہ لارڈ گف صاحب بہادر نے سکھوں کی فوج پر حملہ کر کے اُس کی توپیں چھین لیں - جس پر رات کو سکھوں نے پھر ایک ناگہانی حملہ کر کے سوا بارہ توپوں کے باقی توپیں واپس کر لیں - اور انگریزوں کے دو ہزار تین سو ستاون سپاہی اور ننانوے افسر ہلاک ہو گئے ؂

معرکۂ گجرات
۲۷ - جنوری ۱۸۴۹ء کو گجرات پر ایک خونریز لڑائی ہوئی - جس میں سکھوں کے ساتھ سردار محمد اکرم خاں ولیعہد کابل بھی شامل تھا۔ اور سکھوں کی کُل فوج پچاس ہزار ہو گئی تھی - جس کے ساتھ ساٹھ توپیں بھی تھیں -اِس لڑائی میں بھی توپوں سے شروع ہو کر آخر دست بدست لڑائی ہونے لگی - جس میں طرفین نے بڑی بے جگری کے ساتھ مُقابلہ کیا - مگر بالآخر سکھوں نے شکست کھائی - اور جنرل گلبرٹ نے اِن کے تعاقب میں انگریزی فوجیں روانہ کر دیں - آخر

۱۴- مارچ ۱۸۴۹ء کو شیر سنگھ نے جنرل گلبرٹ
کے سامنے اظہار اطاعت کے طور پر اپنی تلوار رکھ
دی - اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے سردار بھی
اپنے اپنے اسلحۂ جنگ جنرل صاحب کے سامنے
رکھتے چلے گئے - جس سے ایک بھاری میگزین جمع ہو گیا +

الحاق پنجاب | آخر الامر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے
۲۹- مارچ ۱۸۴۹ء کو ایک اشتہار کے ذریعے سے
ان تمام حالات کو ظاہر کر کے پنجاب کو ممالک مفتوحہ
سرکار انگریزی میں شامل کر لیا - اور مہاراجہ دلیپ سنگھ
کے لئے ۵ لاکھ روپے کی سالانہ پنشن مقرر کر کے
اُس کو بغرض تعلیم انگلستان بھجوا دیا - ساتھ ہی اُن
تمام بڑے بڑے سرداروں اور اہلکاروں کو بھی جنھوں
نے انگریزوں کا ہاتھ بٹایا تھا - ان کے درجے کے
موافق پنشنیں دی گئیں - جس قدر جاگیر دار پہلے
سے مقرر ہوتے آتے تھے - سب کی جاگیریں سوا اُن
لوگوں کے جو ضمنی جاگیر دار بن گئے تھے - بحال رکھی
گئیں - دربار لاہور کا خزانہ تو پہلے ہی سے خالی
ہو چکا تھا - جو باقی رہ گیا تھا - اِس موقع پر وہ
بھی اور کوہ نور ہیرا سرکار انگریزی کے ہاتھ آ گیا -
جو یہاں سے ولایت پہنچا کر ملکۂ وکٹوریہ کے تاج
میں سجا دیا گیا +

عہدِ انگریزی

ایسٹ انڈیا کمپنی کا زمانہ

جس زمانے میں پنجاب مقبوضات انگریزی میں شامل ہوا - ہندوستان و پنجاب کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد تھی - یہ تجارتی کمپنی ۱۶۱۲ء سے قائم ہوکر رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی ہندوستان کی حاکم ہو گئی تھی - اور اسی کے ملازم گورنر جنرل اور لفٹننٹ گورنر کی حیثیت سے یہاں کے رئیسوں کے ساتھ عہد نامے کرتے تھے - یہاں کی فتوحات میں بھی اسی کی سپاہ مصروف تھی - بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ بھی اسی کے گورنروں نے معاہدہ کیا تھا - اور سکھوں کے ساتھ جنگ بھی اسی کمپنی کی فوج نے کی تھی - جس کے خاتمے پر اس کی طرف سے ہنری لارنس صاحب پہلے پہل یہاں بطور ریزیڈنٹ اور پھر بطور پریزیڈنٹ بورڈ پنجاب کے حاکم اعلےٰ بنائے گئے تھے ۔

سر ہنری لارنس اور سر جان لارنس

یہ دونوں صاحب حقیقی بھائی تھے - اور کمپنی کی خوش نصیبی نے انھیں پنجاب کے انتظام پر لگا دیا

تھا۔ ہنری لارنس ایک معمولی میجر کے عہدے پر جب پنجاب میں آئے۔ تو یہاں بد امنی کا بیحد زور تھا چنانچہ کمزور حاکموں اور سرداروں نے جان بچانے کے لئے پہلے سکھ فوج کو انگریزوں سے لڑا کر اُس کے مٹا دینے اور پنجاب کو انگریزوں کے زیرِ حکومت لانے کے سامان کر دئے تھے۔

ہنری لارنس! ریزیڈنٹی کے دنوں میں ہنری لارنس صاحب نے یہاں آ کر پہلے تو سکھ فوج کی تعداد نوّے ہزار سے چالیس ہزار کر دی۔ اور اُسے ماہ بماہ تنخواہ دئے جانے کا انتظام کر دیا۔ تاکہ سپاہی تہیدستی کے باعث لُوٹ مار نہ کریں۔ پھر اُنھوں نے ایک سادہ ضابطۂ قانون بنوانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ تیسرے یہاں کے سوداگروں کی ردّی حالت دیکھ کر اکثر ایسے ٹیکس موقوف کر دئے۔ جو اُن کی ترقّی کے سدّ راہ تھے۔ سر جان لارنس ان تمام امور میں اپنے بھائی کے پُورے پُورے مددگار تھے۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب علاقۂ انگریزی میں داخل ہُوا۔ اور یہاں کے انتظام کے لئے ایک "بورڈ آف ایڈ منسٹریشن" (مجلس انتظامی) مقرر کیا گیا۔ تو اس کے پریزیڈنٹ ہنری لارنس۔ مالی رُکن جان لارنس اور عدالتی رُکن چارلس

میلوں مُقرر ہُوئے۔ جس میں اِن دونوں بھائیوں کی گذشتہ ہر دلعزیزی نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور یہ انھیں کا کام تھا۔ کہ جب انھوں نے پنجاب کے لوگوں سے لڑائی کے ہتھیار رکھوا لینے کا فیصلہ کیا۔ تو کسی نے تعمیل میں سرتابی نہ کی۔ اس حُکم کی رُو سے سوا بڑے بڑے امیروں یا ضرورت والے زمینداروں کے عام لوگوں کو آلاتِ جنگ رکھنے کی اجازت نہ رہی۔ بلکہ ضرورت والوں کو بھی سرکار سے سالانہ اجازت نامہ لینا لازمی قرار دے دیا گیا۔ اِس حُکم کے مطابق ستلج کی ورلی[ملہ] جانب تک کے حصّۂ پنجاب سے جو ہتھیار جمع ہوئے۔ اُن کی تعداد ایک لاکھ اُنیس ہزار سات سو تھی۔ اور چالیس ہزار سِکھ فوج کے ہتھیار اِن کے علاوہ تھے۔ جن کو بقیہ تنخواہ کی بہت بڑی رقم دے کر رُخصت کر دیا گیا۔ اِس کے علاوہ طوائف الملوکی کے زمانے سے جو عموماً سارے پنجاب میں بہت سے قلعے اور گڑھیاں بن گئی تھیں۔ اِن میں سے ہنری لارنس صاحب نے صرف عُمدہ

[ملہ] لدھیانہ۔ انبالہ۔ حصار۔ سرسہ۔ کرنال اور گوڑگاؤں کے اضلاع کے ہتھیار بھی بعد میں لے لئے گئے تھے۔ جن کا شمار ان کے علاوہ ہے +

اور با موقع قلعے رکھ کر باقیوں کے توڑنے کا حکم دے دیا۔ مالیہ کی تشخیص کے لئے ایک سرسری پنج سالہ میعاد کا بندوبست کیا گیا۔ جس نے زمین کو آٹھ قسموں پر تقسیم کر کے ہر قسم کے مطابق مالیہ تجویز کر دیا۔ مُلک بھر کو اِنتظامی لحاظ سے سات کمشنریوں اور ستائیس ضلعوں پر بانٹ دیا گیا۔ جس کی حفاظت کے لئے معمولی قصباتی پولیس کے علاوہ ایک گرداور فوجی پولیس مقرر کی گئی ۔ اور حسب ضرورت چوکیاں ۔ تھانے ۔ سرائیں ۔ شفا خانے ڈاک خانے وغیرہ جاری ہوئے ۔ یہی سر جان لارنس جن کا بُت لاہور میں نصب ہے ۔ ۱۸۵۳ء میں یہاں کے چیف کمشنر اور ۱۸۵۹ء میں لفٹنٹ گورنر ہوئے ۔ آخر ۱۸۶۴ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل ہو گئے ✣

زمینداروں اور عام شریفوں تک سے مِلنا اور ہر ایک سے کھُلے دل تبادلہ خیالات کرنا ان کی عادت میں داخل تھا۔ یہ صاحب اگر کسی کے خلاف بھی فیصلہ کرتے .. تو فیصلے سے پہلے اسے بُلا کر سب واقعات سمجھانے کے بعد قائل کر لیتے تھے ۔ کہ مجھے انصاف نے اسی فیصلے کے لئے مجبور کر دیا ہے ✣

ان کے زمانۂ حکومت میں پولیس کی تعداد بڑھائی گئی - ٹھگی - ڈکیتی کے انسداد کا محکمہ قائم ہوا - شہروں اور قصبوں کی روشنی - صفائی اور صحت کے مصارف کے لئے چُنگی کا محکمہ جاری ہوا - لڑکیوں کے مار ڈالنے اور ہندو بیواؤں کے ستی ہونے کی ممانعت کی گئی - کانگڑہ میں چائے کی کاشت شروع ہوئی - نہر باری دو آبہ جاری کی گئی +

غدر ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کی ہندوستانی سپاہ نے بعض غلط فہمیوں میں آکر سرکار کے دئے ہوئے ہتھیاروں ہی سے خزانوں کے لوٹنے اور انگریزوں پر حملہ کرنے سے جا بجا ایک قیامت برپا کر دی - تو ہندوستان بھر میں نئے سرے سے بد امنی پیدا ہو گئی - مگر پنجاب کے ہندو اور مسلمان باشندوں نے اس بغاوت میں

له لارڈ ڈلہوزی ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک ہندوستان کے گورنر جنرل تھے - جنہوں نے دیسی ریئسوں کے انتظام کو ناقص سمجھ کر بعض کے علاقے لے لئے - اور بعض کے اختیارات گھٹا دئے تھے - انھیں دنوں باجی راؤ آخری پیشوائے مرہٹہ کا انتقال ہوا - جس کا کوئی صلبی بیٹا نہ تھا - صرف نانا صاحب ان کا ایک لے پالک تھا (بر صفحہ ۲۳۸)

کوئی حِصّہ نہ لیا۔ سر جان لارنس نے اس موقع پر ایک خاص طرز سے تمام پنجاب کا چکّر لگایا۔ اِس دَورے میں وہ جس قصبے اَور گاؤں میں ٹھہرتے۔ وہاں کے لوگوں کے سامنے تلوار اَور قلم پیش کر کے فرماتے۔ "دوستو! سرکار کے پاس تلوار اَور قلم دونوں چیزیں موجود ہیں۔ تمھیں اِن میں سے جو چیز پسند آئے۔ اُٹھا لو" جس پر زمیندار خوشی خوشی قلم کو اٹھا لیتے۔ کہ "ہمیں اسی کی حکومت پسند ہے" تو صاحب ممدوح ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵) انگریزوں نے باجی راؤ کی پنشن اس کے نام جاری نہ کی۔ تو اس نے سرکار کے خلاف کئی الزامات لگا کر دیسی سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ دیسی فوج نے دہلی۔ لکھنؤ۔ کانپور اور جھانسی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار کچھ تو انگریزوں کی فوج ولایت سے آ گئی۔ اور زیادہ تر یہاں کے اکثر رئیس بھی ان کے مددگار ہو گئے۔ جس پر پانچ مہینے کے بعد یہاں از سرِ نو امن قائم ہُوا۔ سرغنے قتل کئے گئے۔ عام لوگوں کو معافی دی گئی۔ اور ایک بہت بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ آئندہ کے لئے ملکۂ وکٹوریہ نے یہاں کی حکومت کمپنی سے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن ان تمام نوٹوں اور قوانین کو برابر جاری اَور جائز رکھا۔ جو کمپنی جاری کر چکی تھی +

دانائی کو سراہتے اور اُنھیں اپنا دوست بنا لیتے +
اُس نازک وقت میں اِنھوں نے دانائی کے ساتھ پہلے تو سترہ ہزار پوربیہ فوج کے ہتھیار رکھوا لئے - جو پنجاب میں تھی - پھر یہاں سے اٹھارہ ہزار نئی سپاہ بھرتی کر کے برگیڈیر جنرل نِکلسن صاحب کے زیر کمان دہلی بھیج دی - اس کے علاوہ والیانِ ریاستہائے پنجاب کی فوجوں نے بھی بہت بڑی امداد دی - چنانچہ غدر کے خاتمے پر والیان ریاست ہائے پٹیالہ - جیند و نابھہ و کپورتھلہ کو اودھ میں سے تعلقے باغی رئیسوں سے چھین کر دے دِئے گئے +
پنجاب کے اضلاع فیروزپور و سیالکوٹ و جہلم کی پُوربیہ فوج نے کِسی قدر شورہ پُشتی دکھائی تھی - جو بہت جلد فرو کر دی گئی +

عہدِ ملکۂ وکٹوریہ

ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے ختم ہونے پر جب ہندوستان کی حکومت براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت ہوئی تو ملکۂ وکٹوریہ اِنگلستان کی با اقبال سُلطانہ تھیں۔ اس لئے تمام سونے چاندی اور تانبے کے سِکوں پر انھیں کا نام اور تصویر کندہ ہوئی۔ "گورنر جنرل ہندوستان" کے عہدے کے ساتھ لفظ "وائسرائے" (نائب السلطنت) بڑھایا گیا۔ کہ اب یہاں کا حاکم اعلےٰ بادشاہِ اِنگلستان کے نائب کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اِسی سلسلے میں ۱۸۵۷ء میں صوبۂ پنجاب کے ساتھ اضلاع دہلی و حصار وغیرہ شامل کر کے یہاں کا حاکمِ اعلےٰ بجائے چیف کمشنر کے لفٹنٹ گورنر (سر جان لارنس صاحب) قرار دیا گیا ؛

رابرٹ منٹگمری

سر جان لارنس صاحب کے جانے پر رابرٹ منٹگمری لفٹنٹ گورنر مقرر ہوئے۔ ان کے عہد میں شاہی مسجد اور مسلمانوں کے دُوسرے معبد واگزار ہوئے۔ مذہبی عبادات میں ہر شخص خود مختار ہُوا۔ بے روک ٹوک مسجدوں میں اذان


ملکہ وکٹوریہ

ہونے لگی - پھر ۱۸۶۰ء میں ریل اور نہر باری دوآبہ کا اجراء ہوا - ۱۸۶۱ء میں انسپکٹر جنرل پولیس کا عُہدہ مقرّر ہوا - ۱۸۶۲ء میں تعزیرات ہند کا قانون جاری ہوا - اور محکمۂ جنگلات قائم کیا گیا - ۱۸۶۴ء میں دُنیا بھر کے مصنوعات - ہر قسم کے درند و پرند - جانوروں - سکّوں اور تصاویر و پارچات کو جمع کر کے ایک عجائب گاہ "پنجاب میوزیم" لاہور میں قائم کیا گیا - اور شہر لاہور کے چاروں طرف جو خندق کھدی ہوئی تھی اُس کو مٹّی سے بھروا کر باغات لگا دئے گئے ؛

سر ڈانلڈ میکلوڈ

جنوری ۱۸۶۵ء میں سر ڈانلڈ میکلوڈ نے پنجاب کا اہتمام کیا - جن کے عہد میں ۱۸۶۶ء میں جوڈیشل کمشنری کی جگہ "پنجاب چیف کورٹ" قائم ہوا - یارقند و کاشغر کے ساتھ تجارتی سہولتوں کے لئے سڑکوں اور کاروانوں کا انتظام کیا گیا - ۱۸۶۸و۶۹ء میں ایک سخت قحط نمودار ہوا - جس میں سرکار نے پنجاب کے اکتیس لاکھ غریبوں کے لئے خیراتی کام جاری کر کے اُن کی شکم پری کا بندوبست فرما دیا - اِن کے بعد سر ہنری ڈیورنڈ صاحب لفٹنٹ گورنر مقرّر ہوئے - مگر وہ صرف سات ماہ بعد ایک حادثے سے انتقال کر گئے ؛

سرہنری ڈیوس

۱۸۷۲ء میں سرہنری ڈیوس صاحب لفٹننٹ گورنر مقرر ہوئے۔ جن کے عہد میں بہت سے قوانین مالگزاری و لوکل ریٹ و انہار وغیرہ جاری ہوئے۔ سکھوں میں سے رام سنگھ "کوکا" کے چیلوں نے مالیر کوٹلہ میں سر اُٹھایا تھا۔ جس پر اُن کے گرو کو جلا وطن اور فسادیوں کو قتل کرنے سے اِس مُفسدے کا بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔ امیر شیر علی خاں والی کابل لارڈ میو صاحب وائسرائے ہند کی مُلاقات کے لئے انبالہ آئے۔ اور اس موقع پر رؤسائے پنجاب کا ایک بڑا دربار مُنعقد ہُوا۔ ۱۸۷۶ء میں شہزادہ ولیعہد (جو ۱۹۰۱ء میں ملکۂ معظمہ کے بعد ایڈورڈ ہفتم کے نام سے بادشاہ قرار پائے) سیاحتِ ہندوستان کے دَوران میں پنجاب آئے۔ مہاراجہ جموّں و کشمیر کے تو خود مہمان ہُوئے۔ اور باقی تمام والیانِ ریاست اور انگریزی علاقے کے رئیسوں کو بمقام لاہور و دہلی مُلاقات کا موقع دیا۔ پنجاب کے دریائے چناب کے پُل الگزنڈرا برج کا اِنھیں نے اپنی بیگم صاحبہ کے نام پر بمقام وزیر آباد افتتاح کیا۔ اسی زمانے میں لارڈ میو صاحب کی یادگار میں میو ہاسپٹل لاہور کی بُنیاد رکھی گئی۔ جو اب تک برابر روز

بروز ترقی کر رہا ہے۔

یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں ملکۂ معظمہ کے خطاب "قیصر ہند" کے قبول اور مشتہر فرمانے کی غرض سے سلطنتِ انگریزی کا پہلا عالیشان دربار لارڈ لٹن وائسرائے ہند کی صدارت میں منعقد ہُوا۔ جس میں ہندوستان کے ۶۴ والیانِ ریاست تمام جاگیرداران و رؤساء نہایت شان و شوکت سے شریک ہوئے۔ سرکار نے اس جشن کی تقریب میں چھوٹی میعادوں کے قیدی تو بالکل رہا کر دئے۔ اور لمبی قید والوں کی میعاد میں تخفیف کر دی۔ دیوانی قیدیوں کو بھی اُن کے قرض کا روپیہ خزانۂ سرکاری سے دلا کر رہائی دلائی گئی۔

سر رابرٹ ایجرٹن اپریل ۱۸۷۷ء میں سر ہنری رابرٹ ایجرٹن صاحب لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ اُن کے وقت میں امیر شیر علی خاں والی افغانستان سے ایک بھاری جنگ ہوئی۔ جس میں راجگان پنجاب کی فوج بھی سرکاری فوج کے ساتھ برابر شریکِ جنگ رہی۔ آخر امیر شیر علی خاں کے فوت ہو جانے پر کابل فتح تو ہُوا۔ مگر حکومتِ کابل بجہ سرکار نے ولی عہد سلطنت سردار یعقوب خاں کو بحال کر کے میجر کیوگناری کو پان سو کے ایک فوجی دستے

کے ساتھ سفیر افغانستان بنایا - اور باقی کُل فوج واپس کی گئی - لیکن افواجِ سرکاری کی واپسی پر سیاہِ افغانستان نے بلوہ کر کے میجر کیوگناری کو اُس کے فوجی دستہ سمیت قتل کر دیا - جس پر دوبارہ فوج کشی کی گئی - اور امیر یعقوب خاں کو ہندوستان لا کر بمقام ڈیرہ ڈُون نظر بند کرنے کے بعد تختِ افغانستان پر عبدالرحمٰن خاں کو امیر تسلیم کیا گیا +

اِنھیں کے عہد میں لارڈ رپن وائسرائے ہند نے ایک عظیمُ الشان دربار میں پنجاب یُونیورسٹی لاہور کو بی - اے - ایم - اے وغیرہ کی ڈگریاں (سندات) عطا کرنے کی سند عنایت کی - اور پنجاب کی تعلیمی ترقی شرُوع ہو گئی - نہر ہند کا اجرا - واٹر ورکس لاہور کا افتتاح اور کئی ریلوں اور ٹیلوں کا اجرا ہُوا +

سر چارلس ایچیسن اپریل ۱۸۸۲ء میں سر چارلس ایچیسن صاحب نے پنجاب کی عنانِ نظام اپنے ہاتھ میں لی - جن کے عہد میں عدالتہائے پنجاب کا انتظام از سرِ نو ہو کر ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل جج کے عہدے قایم ہوئے - میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں انتخاب کے ذریعے سے ممبر لئے جانے لگے ۱۸۸۴ء میں پنجاب میں پہلی دفعہ فنونِ لطیفہ کی ایک شاندار نمائش منعقد ہُوئی - جس کے لئے ایک عالیشان عمارت

بنائی گئی تھی - آج کل اس میں بارکیٹ قائم ہے۔
اس کا سنگِ بُنیاد ایڈورڈ ہفتم کے برادر آنجہانی
پرنس البرٹ وِکٹر کے ہاتھ سے رکھوایا گیا تھا۔ جو
اِتفاق سے اُن دِنوں سیاحتِ ہند کی تقریب سے
لاہور آئے تھے ؛

جنوری ۱۸۸۵ء میں امیر عبد الرحمٰن خاں شاہ
افغانِستان لارڈ ڈفرن صاحب وائسرائے ہند کی
مُلاقات کے لئے راولپنڈی تشریف لائے۔ جہاں
تمام پنجاب بلکہ ہندوستان کے اکثر والیانِ ریاست
مَوجُود تھے - امیر صاحِب کو بیس ہزار افواجِ انگریزی
کی قواعد دکھائی گئی - اور ان کا وظیفہ بجائے چھ
لاکھ کے بارہ لاکھ سالانہ کیا گیا ؛

۱۸۸۶ء میں ملکۂ وکٹوریہ کی پنجاہ سالا حکومت
کا جشن تمام ہندوستان و پنجاب میں نہایت مسرّت
و شادمانی سے منایا گیا۔ جس میں سرکار کے علاوہ
یہاں کے والیانِ ریاست اور دیسی رئیسوں۔ امیروں
نے بھی بڑی خُوشی کے ساتھ روشنی۔ آتشبازی۔ غریبوں
کی دعوت اور قیدیوں کی رعایت وغیرہ کی رسمیں
بڑے اعلےٰ پیمانے پر ادا کیں ؛

سر چارلس کے عہد کی دائمی یادگار پنجاب میں
ایچیسن چیفس کالج لاہور ہے - جو والیانِ ریاست

اور معزز جاگیرداروں کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیئے سرکاری روپے اور والیانِ ریاست کے چندوں سے قائم ہو چکا ہے - اس کا بنیادی پتھر ایک عالیشان دربار میں لارڈ ڈفرن صاحب بہادر نے اپنے ہاتھ سے نصب فرمایا - اِس کے علاوہ دیسی عورتوں کے علاج کے لیئے سرکاری مدد اور دیسی چندوں سے ان کی لیڈی صاحبہ کے نام پر "لیڈی ایچیسن ہاسپٹل" کا افتتاح بھی عمل میں آیا +

سر الفریڈ لائل

اپریل ۱۸۸۷ء میں سر الفریڈ لائل صاحب لفٹننٹ گورنر مقرر ہوئے - جن کے عہد میں زراعت و آبادکاری پر خاص توجہ ہوئی - بار کا بنجر اور غیر آباد علاقہ نہرِ چناب سے سرسبز و شاداب ہُؤا - اور اس میں زمینداروں - سفید پوشوں اور سرکاری پنشن یافتہ لوگوں کو ہلکی شرائط اور رعائتی نذرانے پر اراضی کے مُربعے عطا ہوئے - اِس علاقے میں اِنھیں کے نام پر ماڈی کے قریب ایک شہر "لائل پور" آباد ہُؤا - جو اِس وقت غلے کی ایک عمدہ منڈی اور پنجاب کا نامور ضلع شمار ہوتا ہے - نکولس شہنشاہ روس جو قتل ہو گئے تھے - اِسی زمانے میں دوران سیاحت ہندوستان میں پنجاب آئے - اور ہر جگہ مناسب طور پر اُن کی تعظیم و

تکریم عمل میں آئی +

سر ڈینس فٹز پیٹرک	اوائل ۱۸۹۲ء میں سر ڈینس فٹز

پیٹرک صاحب نے حکومتِ پنجاب کا اہتمام سنبھالا ان کے وقت میں کئی نہریں کھلیں۔ سررشتہ تعلیم میں بہت سی ترقیاں ہوئیں۔ انھیں کے وقت میں لارڈ لینسڈاؤن صاحب وائسرائے ہند کے حکم سے پنجاب میں ایک قانونی کونسل بنائی گئی۔ جس کے بارہ ممبروں میں سے چھ سرکاری رؤسا مقرر ہوئے۔ انھیں کے زمانے میں چیف کورٹ کی یہ عالیشان عمارت بنائی گئی۔ جو اب ہائی کورٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اور آئندہ کے لئے دیسیوں کو بھی جج بنانے کا اُصول قرار دیا +

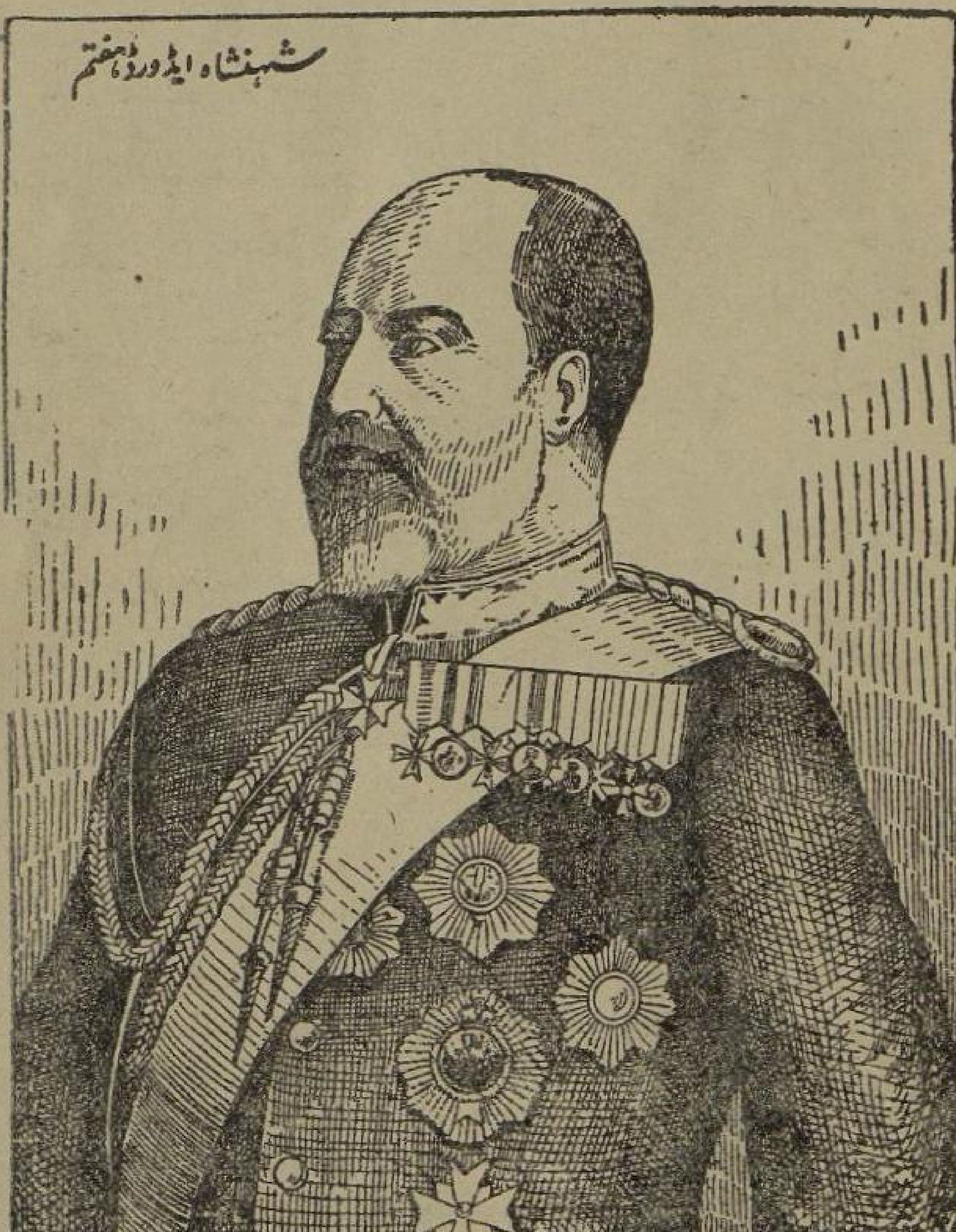
سر میکورتھ ینگ	جنوری ۱۸۹۷ء میں سر میکورتھ ینگ

صاحب نے چارج لیا۔ جن کے عہد میں پہلے تو ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھ سالہ حکومت کا جشن ہوا۔ پھر جنوری ۱۹۰۱ء میں ملکہ کے انتقال پر شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوئے تو اُسی سال دریائے سندھ کا تمام بالائی علاقہ یعنی اضلاع پشاور و ہزارہ و کوہاٹ و بنوں و ڈیرہ اسمٰعیلخاں اور بلوچستان کا وسیع قطعہ پنجاب سے جُدا ہو کر شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام سے الگ چیف کمشنر کے ماتحت ہوا +

عہدِ شہنشاہِ ایڈورڈ ہفتم

ان کے زمانے میں سر چارلس منٹگمری ریواز مارچ ۱۹۰۲ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر مقرر ہوئے۔ شہنشاہ کا دربارِ تاجپوشی و تخت نشینی انہیں کے وقت میں لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہند کی صدارت میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔

اس دربار میں ہندوستان کے ۱۰۴ والیانِ ریاست۔ جاگیردار اور معزز رؤسا شامل تھے۔ بلکہ ہندوستان کے مختلف ملکوں کے رئیس اور حکامِ ہند و قائم مقام بھی شریک تھے۔ اور وائسرائے ہند کے ساتھ بادشاہ کے برادرِ خرد ڈیوک آف کیناٹ بھی بیگم صاحبہ سمیت شاملِ دربار تھے۔ اس دربار میں داخلے کا ٹکٹ بارہ ہزار رؤسا کو دیا گیا تھا۔ جن میں ہندوستان کے ہر علاقے کے رؤسا و شرفا کے علاوہ غدر ۱۸۵۷ء کے پنشن خوار دیسی اور گورہ سپاہی بھی شامل تھے۔ دہلی کے باہر خوشنما کیمپوں کا ایک وسیع اور اُجلا



شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم

شہر آباد ہو گیا تھا۔ شہر اور کیمپ میں برقی موٹر کار کا سلسلہ اُسی وقت کی یادگار ہے ؛

دربار۔ حاضری فوج۔ جلوس۔ سواری۔ آتشبازی کے ساتھ ہندوستانی صنعت کی ایک نہایت عالیشان نمائش بھی اِس موقع پر کھولی گئی تھی۔ جس میں ہر طبقے اور درجے کے نئے پُرانے کاریگروں کی دستکاریاں دکھائی گئیں۔ اور افتتاح نمائش کے وقت لارڈ کرزن نے ایک مؤثر تقریر میں تمام ہندوستانی باشندوں اور رئیسوں کو توجہ دلائی تھی۔ کہ آپ کو ولایتی چیزوں کی جگہ اپنے مُلک کی صنعت و حرفت کو ترقّی دینے کے خیال سے یہیں کی چیزوں کی قدر کرنی چاہیئے ؛

اِس دربار کی ایک بڑی یادگار یہ قائم ہوئی۔ کہ ایک ہزار روپے سالانہ سے کم آمدنی والوں کو انکم ٹیکس سے بری کر دیا گیا ؛

سر چارلس ریواز کا زمانہ تعلیمی ترقی کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ اِنھوں نے ہندو مسلمان اور کرسچین کالجوں کو بیش قرار امدادیں دیں۔ تعلیمی عمارات میں یونیورسٹی ہال لاہور بھی اسی وقت کی یادگار ہے۔ اُسی زمانے میں ضیاء الملّۃ والدّین امیر حبیب اللہ خان مرحوم بادشاہ افغانستان

لارڈ منٹو صاحب وائسرائے ہند کی ملاقات کو کلکتے تشریف لے جاتے ہوئے پنجاب آئے۔ لاہور۔ امرت سر۔ سرہند۔ دہلی وغیرہ پر آپ کو دعوتیں دی گئیں۔ اور لاہور میں آپ نے اسلامیہ کالج کا بنیادی پتھر بھی نصب فرمایا +

۱۹۰۶ء میں پرنس آف ویلز بہادر جارج پنجم بادشاہ ہندوستان و پنجاب نے سیاحتِ ہند کی تقریب سے لاہور۔ امرت سر اور دہلی کی سیر کی۔ ریاستوں میں سے جموں تو آپ خود ہی تشریف لے گئے تھے۔ باقی والیانِ ریاست سے لاہور و دہلی میں ملاقات ہوئی +

سر چارلس ریواز ہی کے عہد میں یادگارِ دربار کی تصنیف پر مصنّف تاریخ پنجاب کو یہ تحریک مسٹر ولیم بیل ڈائرکٹر تعلیم سرکار سے پہلی بار دو سو روپیہ انعام ملا۔ اور جب خاکسار نے اُردو گلوب تیار کیا۔ تو اُسے بھی صاحب موصوف نے بہت پسند فرمایا۔ اور یہی حوصلہ افزائی جدید تعلیمی نقشوں اور طبعی و تاریخی چارٹوں کی تیاری کا باعث ہوئی +

۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پنجاب میں ایک قیامت خیز زلزلہ نمودار ہوا۔ جس نے عموماً سارے ملک

کو اور خصوصاً ضلع کانگڑہ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ مالی نقصان کے ساتھ ہزاروں جانیں بھی ہلاک ہو گئیں۔ بہت سے خاندان بے چراغ ہو گئے۔ اس موقع پر سرکار نے فوجی سپاہی کانگڑے بھیج کر اُن سے دبی ہوئی لاشیں اور مال و اسباب نکلوا کر وارثوں کے حوالے کیا۔ نقصان رسیدوں کے علاج معالجے میں ہندو سیوا سمتی نے بھی کافی امداد دی۔ بلکہ غریبوں کی زرِ نقد سے بھی اعانت کی ۔

سر ڈینزل اِبٹسن ۱۹۰۷ء میں سر ڈینزل ابٹسن نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ مگر یہ ایک سال بعد بیمار ہو کر ولایت چلے گئے۔ اور جہاز ہی میں انتقال کر گئے ۔

سر لوئیس ڈین اپریل ۱۹۰۸ء میں سر لوئیس ڈین پنجاب کے لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ یہ صاحب انگریزی کے علاوہ اُردو۔ فارسی وغیرہ بھی اچھی طرح جانتے تھے ۔

نمائش پنجاب لاہور آپ کے عہد میں ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور ایک عالیشان نمائش منعقد ہوئی۔ جس میں ہندوستان کے ہر حصے کی پیداوار۔ صنعت و حرفت۔ تعلیمی ترقیاں اور پرانے نادرات کے علاوہ یورپ کی موجودہ ترقی یافتہ کلوں کو بھی نہایت اعلےٰ پیمانے پر دکھایا گیا تھا۔ افتتاحِ نمائش کے

وقت پنجاب کے تمام والیانِ ریاست اور رؤسائے پنجاب موجود تھے - اِس نمائش پر سرکار اور رعایا دونوں کی کوششوں سے چار لاکھ روپیہ خرچ ہؤا تھا - یہ نمائش تین مہینے کھُلی رہی - اور لاکھوں آدمیوں نے دیکھی ۔

زراعتی کالج | زراعتی کالج لائل پور بھی آپ کے عہد کی یادگار ہے - جس میں اس فن کے تمام متعلقات سکھائے اور پڑھائے جاتے ہیں - اور اس مُلک کے زمینداروں کے لئے بڑی مفید چیز ہے - یہ کالج نومبر ۱۹۱۰ء سے کھولا گیا ہے ۔

پنجاب کی قانونی کونسل کی توسیع بھی آپ ہی کے زمانے میں عمل پذیر ہوئی - یعنی ۱۹۰۹ء میں دربارِ انگلستان نے لارڈ منٹو صاحب وائسرائے ہند کی سفارش پر گورنمنٹ ہند اور لوکل گورنمنٹوں کی قانونی کونسلوں میں سرکاری ممبروں کی تعداد بڑھانے کے ساتھ تمام جماعتوں کی طرف سے بعض ممبر بذریعہ انتخاب بھی لئے جانے منظور کئے - اور اِس سلسلہ میں پنجاب کونسل کے ۲۴ ممبر منظور ہوئے - جن میں سے پانچ بذریعہ انتخاب اور باقی نامزدگی کے ذریعے سے لئے جانے لگے ۔

عہدِ شہنشاہِ جارج پنجم

شہنشاہِ موصوف اپنے والد ایڈورڈ ہفتم کی وفات
پر ۷- مئی ۱۹۱۰ء کو شہنشاہِ ہند اور بادشاہِ
انگلینڈ قرار دئے گئے۔ جو اس سے تھوڑا ہی
عرصہ پہلے ہندوستان و پنجاب کی سیر کر کے
یہاں کی رعایا کی اطاعت و وفاداری اور اس
ملک کی عظمت و شان کو بچشم خود دیکھ گئے
تھے۔ چنانچہ آپ نے انگلستان کے علاوہ
خاص ہندوستان میں خود آکر دربارِ تاجپوشی منعقد
کرنے کا حکم دیا۔ اور ۲۲- جون ۱۹۱۱ء کو
جب لندن میں تقریب ادا ہو چکی۔ تو آپ نے
ہندوستان آکر یہاں کی پرانی راجدھانی دہلی
میں ۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کو ایک عالیشان دربارِ
تاج پوشی منعقد فرمایا +

اس دربار میں ہندوستان کے ایک سو تئیس

خود مختار والیان ریاست اور بیس ہزار امیر و رئیس شامل تھے - سواری کا جلوس - پچاس ہزار فوج کی حاضری - روشنی - آتشبازی - صنعتی نمائش - دید و باز دید کی ملاقاتیں - گارڈن پارٹیاں - ایڈریس - تقریریں - غرض ہر بات پہلے سے بڑھی ہوئی تھی - کیونکہ یہی وہ پہلا موقع تھا - جس میں بادشاہ سلامت نے خود ہندوستان آکر یہاں کے رئیسوں - امیروں کے سامنے تاج شاہی سر پر رکھا تھا - اس تقریب کے دلچسپ بنانے کے لئے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر سر لوئیس ڈین صاحب نے یہ نئی ایجاد فرمائی - کہ درباری دنوں میں قلعۂ دہلی کے نیچے جمنا کے کنارے پنجابی وضع کا ایک میلا لگایا گیا - اور ڈپٹی کمشنر صاحبان کے ذریعے سے پنجاب کے نمبرداروں - سفید پوشوں اور زمینداروں کو اصلی دیسی لباس میں وہاں کی سیر کو بھجوایا گیا - بادشاہ سلامت معہ ملکہ میری کے کسی وقت قلعے کے مثمن برج پر جلوہ افروز ہوکر اس کا تماشا دیکھتے - تو میلے والوں کو بھی شاہی درشن ہو جاتے تھے - اور اس طرح شاہ و رعایا کی رو شناسی ہو جاتی تھی +



شہنشاہ جارج پنجم

۱۲ - دسمبر ۱۹۱۱ء کے دربار میں بادشاہ سلامت نے مندرجہ ذیل اعلان فرمایا۔

(۱) ہندوستان کی انتظامی تقسیم میں ترمیم کر کے آئندہ دہلی کو ہندوستان کا دارالسلطنت مقرر کیا گیا - اور اسی ضرورت سے اس شہر کو صوبۂ پنجاب سے نکال کر ایک علیحدہ چیف کمشنر کے زیرِ حکومت لایا گیا - ایسے ہی علاقہ بہار کو بنگال سے نکال کر ایک علیحدہ لفٹننٹ گورنر کے ماتحت کیا گیا - اور مشرقی بنگال کے چند اضلاع آسام سے ملا کر ایک علیحدہ لفٹننٹ گورنر کے ماتحت ہوئے - بنگال پر بمبئی اور مدراس کی طرح ایک گورنر مقرر کیا گیا +

(۲) ہندوستان کی تعلیم پر سابقہ اخراجات کے علاوہ آئندہ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ زیادہ خرچ منظور ہوا +

(۳) شمس العلماء اور مہا مہو پادھیائے کے خطاب داروں کو سو روپیہ سالانہ وظیفہ دینے کا قاعدہ باندھا گیا +

(۴) دیسیوں کو بھی آئندہ اعلےٰ فوجی عہدے دئے جانے تجویز ہوئے +

سر مائیکل فرانسس اوڈوائر	مئی ۱۹۱۳ء کو انھوں نے

پنجاب کا اہتمام سنبھالا - جس کے ایک سال بعد یورپ میں ایک عالمگیر جنگ برپا ہو گئی - اِس میں سرکارِ انگریزی - روس - فرانس اور اٹلی ایک طرف اور جرمنی - آسٹریا اور ترک ایک طرف ہو گئے - اور جنگ اِس شدّت سے پھیل گئی - کہ سرکار کے تمام مقبوضات کے روٴسا و رعایا نے اپنی مالی و جانی خدمات سرکار کے سپُرد کر دیں - جس میں پنجاب نے بھی خاص وفاداری کا اظہار کیا - تین سال میں یہاں سے چار لاکھ جوان فوج میں بھرتی ہُوئے - اور یہاں کے روٴسا و رعایا نے دو کروڑ روپے سے زیادہ نقد اور گیارہ ہوائی جہاز سرکار کی نذر کئے +

اِن کے زمانے میں پنجاب کونسل میں ۲۸ ممبر ہوئے - ۱۷ نامزدگی سے اور ۱۱ انتخاب سے +

خاتمۂ جنگ یورپ آخر کار دسمبر ۱۹۱۸ء میں جنگ یورپ کا خاتمہ ہُوا - جرمنی - آسٹریا اور ٹرکی نے ہتھیار ڈال دئے - سرکار انگریزی کی جیت ہوئی - جس پر پنجاب تو کیا تمام سلطنت برطانیہ میں خوب دھوم دھام کے جلسے ہوئے +

ہائی کورٹ پنجاب یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو پنجاب

چیف کورٹ ہائی کورٹ قرار دیا گیا۔ اور تھوڑے دنوں بعد سر شادی لال صاحب پہلے پنجابی "چیف جج" بنائے گئے +

ہندوستان میں بے چینی

دوران جنگ میں ہندوستان کی بیش بہا خدمات کے صلے میں مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے ہندوستان آ کر لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند کے مشورے سے ایک اصلاحی خاکہ تیار کیا۔ جس کے مطابق ہر صوبے کی قانونی کونسلوں میں رعایا کے انتخابی ممبروں اور اعلیٰ ملازمتوں میں بھی دیسیوں کا زیادہ لیا جانا منظور ہوا۔ لیکن انتہا پسند ہندوستانی (جن کے سر کردہ مسٹر گاندھی تھے) اس ترقی پر مطمئن نہ ہوئے۔ اور چونکہ مسلمان بھی قضیۂ ٹرکی سے ناراض تھے۔ وہ بھی ان کے شریک ہو کر تحریر و تقریر میں بڑھنے لگے۔ جس پر لارڈ چیمسفورڈ نے رولٹ ایکٹ کے نام سے ایک ایسا قانون منظور کیا۔ جس کی رُو سے ایسے لوگوں کو وکیل اور اپیل کے بغیر کافی سزا دی جا سکے۔ مگر ناراضی اور بھی بڑھ گئی۔ اور ۶۔ اپریل کو تمام ہندوستان میں ہڑتال ہو گئی +

مارشل لا پھر پنجاب میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے۔ کہ اوڈوائر صاحب نے غصّے میں آ کر مارشل لا جاری کر دیا۔ اور سینکڑوں آدمیوں کے قتل اور قید و جرمانہ سے ایک عام مُصیبت پھیل گئی ؛

سر ایڈورڈ میکلیگن یکم جون ۱۹۱۹ء کو سر ایڈورڈ میکلیگن بالقابہ نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ جو صرف ایک نیک دل انگریز ہی نہیں۔ بلکہ پنجاب ہی کی پیدائش ہیں۔ اُنھوں نے پہلے تو مارشل لا موقوف کر کے کئی ملزموں کی سزا میں تخفیف فرمائی۔ پھر مارشل لا کے نقصان رسیدوں کے لئے بائیس لاکھ روپیہ معاوضہ منظور کیا ؛

ملازمان ریلوے کی ہڑتال مئی ۱۹۲۱ء میں مسٹر ملر اور ایم۔ اے خاں کی کوششوں سے لاہور میں ایک ریلوے یونین قائم ہو گئی۔ اور ان کی ہدایت پر تقریباً ایک ماہ تک ملازمانِ ریلوے نے ایکا کر کے کام چھوڑ دیا۔ جس پر حُکّام ریلوے نے تنخواہوں میں اضافہ تو کر دیا۔ مگر پچھلے حُقوق ملازمت سب تلف کر دئے۔ اور یہ اضافہ کرایۂ ریل بڑھا کر عوام سے وصول کر لیا ؛

گورنری۔ قانونی کونسل اور دیسی وزیر اپریل ۱۹۲۱ء سے

پنجاب کی گورنری قرار پائی - جس کی امداد کے لئے ۹۷ ممبروں کی قانونی کونسل - تین ممبروں کی اگزکٹو کونسل اور دو دیسی وزیر بھی مقرر ہوئے - چنانچہ سب سے پہلی قانونی کونسل کے پہلے دیسی ممبر سردار سندر سنگھ مجیٹھیا - محکمۂ تعلیم وغیرہ کے وزیر خان بہادر سر میاں فضل حسین خاں بیرسٹر ایٹ لاء اور زراعت و تجارت کے وزیر لالہ ہر کشن لال بیرسٹر مقرر ہوئے ٭

جنگ افغانستان اور صلح سنہ ۱۹۱۹ء کی ابتدا میں امیر حبیب اللہ خاں بادشاہ افغانستان دفعتاً اپنے خیمے میں سوئے ہوئے بمقام چار باغ قتل پائے گئے۔ اور ایک دو تبدیلیوں کے بعد امیر امان اللہ خاں اُن کے جانشین قرار پائے - انھوں نے ناگہاں سرحد انگریزی کی طرف پیش قدمی کر دی - جس کے جواب میں انگریزی فوجیں بھی لنڈی خانے تک جا پہنچیں - آخر نومبر سنہ ۱۹۲۱ء میں افغانستان کی آزادی تسلیم ہو کر صلح ہو گئی - اور اس کے سفیر لندن - جرمنی - اٹلی - انگورا اور ماسکو میں مقرر ہو گئے ٭

پرنس آف ویلز کی آمد اواخر سنہ ۱۹۲۱ء میں شہزادہ انگلستان ہندوستان کی سیر کو تشریف لائے - اور اخیر فروری میں لاہور پہنچ کر بھی پانچ روز قیام فرمایا۔

جہاں اُن کا استقبال تمام ہندوستان سے بڑھ کر عمل میں آیا +

سر میلکم ہیلی کا عہدِ دولت

۲۵ مئی ۱۹۲۵ء کو سر ایڈورڈ میکلیگن صاحب کے رُخصت ہونے پر سر میلکم ہیلی صاحب پنجاب کے گورنر مُقرّر ہوئے۔ جو اس سے پہلے دہلی کے چیف کمشنر اور وائسرائے ہند کی کونسل کے ایک درخشندہ ممبر رہ چکے تھے +

گوردوارہ بل

سر میلکم ہیلی کو جو کام سب سے پہلے آکر کرنا پڑا۔ وہ سکھوں کی اُس قومی پریشانی کو دُور کرنا تھا۔ جو انھیں گوردوارہ بل کے پیش ہونے پر پیدا ہو گئی تھی۔ اِس بل کا منشا یہ تھا۔ کہ سکھوں کے مقدّس استھانوں کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرّر کر دی جائے۔ جس میں چند سرکاری اور غیر سرکاری ممبر مل کر کام کریں۔ مگر سکھ قوم نے اس کو سرکاری دست اندازی سمجھ کر مخالفت کی۔ آخر کار سر میلکم کے عہد میں یہ قانون اِس طرح پاس ہُوا۔ کہ ہر گوردوارے کے انتظام کے لئے دو ممبر تو سکھوں کے انتخاب سے ہُوا کریں۔ اور ایک ممبر سرکار مُقرّر کیا کرے۔ چنانچہ قانون منظور ہو کر اواخر ۱۹۲۶ء میں گوردوارہ بورڈ اور کمیٹیاں بھی قائم ہو گئیں +

تمت

